سُنّی شیعہ اختلاف کی بنیاد، "عقیدۂ امامت" کا اجمالی جائزہ
اور "حدیثِ غدیر" کی سند، اس کے پس منظر اور مفہوم کی مکمل تحقیق

عقیدۂ امامت اور حدیثِ غدیر
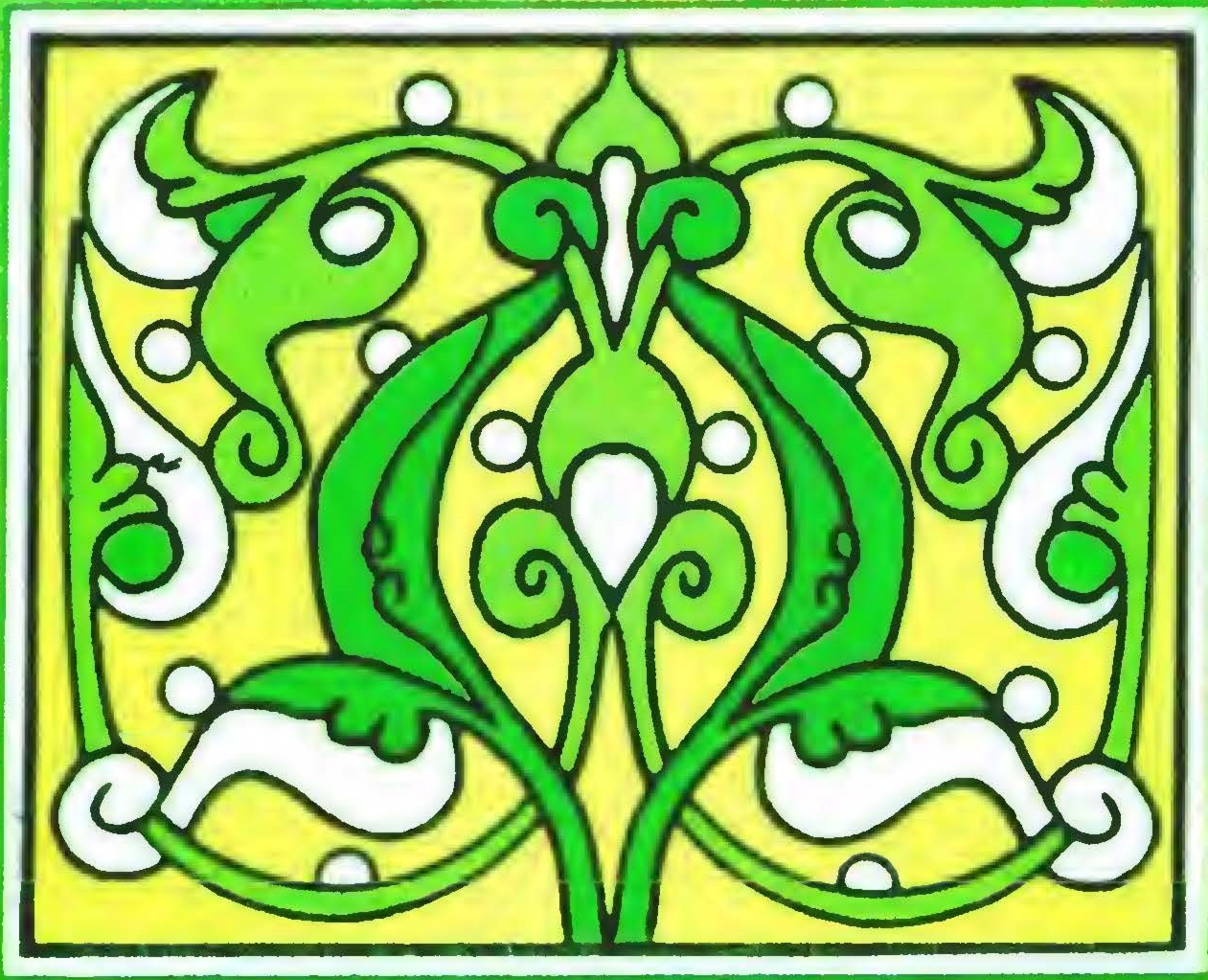
تحریر
جناب مولانا محمود اشرف عثمانی دامت برکاتہم

ادارۂ اسلامیات لاہور
فون
۷۳۵۳۲۵۵ ۷۲۴۳۹۹۱ ۷۳۲۴۷۸۵

www.KitaboSunnat.com

عقیدۂ امامت اور حدیثِ غدیر

عقیدۂ امامت اور حدیثِ غدیر

سُنّی شیعہ اختلاف کی بُنیاد "عقیدۂ امامت" کا اجمالی جائزہ
اور "حدیثِ غدیر" کی سند، اس کے پس منظر اور مفہوم کی مکمل تحقیق

تحریر
جناب مولانا محمود اشرف عثمانی دامت برکاتہم
دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

نام کتاب ——— عقیدہ امامت اور حدیث غدیر
مؤلف ——— مولانا محمود اشرف عثمانی مدظلہ
باہتمام ——— اشرف برادران سلمہم الرحمٰن
طباعت ——— اگست ۱۹۹۶ء بمطابق ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
ناشر ——— ادارہ اسلامیات ۱۹۰-انارکلی لاہور ۲
فون: ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵
——— ۷۳۲۴۷۸۵ ———

اِدارۂ اِسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ ——— دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۷۲۳۲۰۳۲، ۷۳۲۴۷۸۵ فیکس ۹۲۰۳۲۲۰

★ ——— ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون ——— ۷۲۴۳۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

★ ——— موہن روڈ
چوک ——— اردو بازار، کراچی فون ۷۲۲۴۰۱

فہرست عنوانات

عرض مولف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سیدنا و مولانامحمد و آله وصحبه اجمعین – امابعد

زیر نظر مضمون 'حدیث غدیر اور عقیدہ امامت' سے متعلق ایک سوال کا تفصیلی جواب ہے جو اس وقت کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔یہ سوال دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی میں موصول ہوا تو مشفقی و محسنی حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم العالی نے اسے احقر کے حوالہ کیا اور خواہش ظاہر کی کہ جواب کچھ تفصیلی ہو جائے تو بہتر ہے تاکہ مسئلہ کی مکمل تحقیق سامنے آجائے۔

بندہ ناچیز نے جواب لکھنا شروع کیا تو حضرت موصوف دام ظلہم کی کرامت سامنے آئی کہ جواب مقالہ کی شکل اختیار کر گیا۔

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح کی تحفہ اثناء عشریہ 'حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کی ہدایۃ الشیعہ 'حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح کی ہدیۃ الشیعہ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح کی ہدایات الرشید اور مطرقۃ الکرامۃ 'اہل السنت و الجماعۃ اور اہل تشیع کے مابین اختلافی موضوعات پر اہم ترین علمی تصانیف ہیں۔ان حضرات (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے نور علم' وسعت مطالعہ' دقت نظر' اور تفقہ فی الدین کی بدولت ان کی تصانیف بلاشبہ اپنے موضوع پر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

احقر نے انہیں حضرات کی خوشہ چینی کرتے ہوئے ان کی کتابوں میں بکھرے ہوئے مضامین کو یکجا کر دیا ہے۔نیز قدیم اصل عربی ماخذ سے رجوع کرتے ہوئے جو کچھ ذہن ناقص میں آیا سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ اسے ضبط کر دیا ہے۔کوشش یہ رہی ہے کہ بات

حوالہ کے ساتھ درج کی جائے اور انداز میں سلف صالحین (رحمہم اللہ) کے طرز پر تہذیب اور شائستگی کو ملحوظ رکھا جائے۔

اس مقالہ کی تحریر میں بحمد اللہ یہ امر میری طمانینت قلبی کا باعث بنا کہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم و حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم جیسے میرے اکابر نے اپنے گوں ناگوں مشاغل کے باوجود اسکا تفصیلی مطالعہ کیا اور انتہائی مفید ہدایات اور اہم مشوروں سے نوازا ہے۔ (جزاھم اللہ تعالی خیرا من عندہ)

اللہ تعالی اس حقیری کاوش کو امت مسلمہ کے لئے نفع اور ہدایت کا سبب بنا دے اور یہ مضمون متلاشیان حق کے لئے بالعموم اور مجھ گنہگار کے لئے بالخصوص دنیا اور آخرت کی فلاح اور نجات کا ذریعہ ثابت ہو۔ و اللہ تعالی ھو الموفق

اللھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعہ و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابہ

و صلی اللہ وسلم وبارک علی سیدنا و شفیعنا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین ۔

طالب دعا احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ

خادم دار الافتاء ۔ جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴ ۔

۱۴۱۶/۱/۲۵ھ

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مد ظلہم
صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین ، ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین :

برخوردار عزیز مولانا محمود اشرف صاحب' استاذ دارالعلوم کراچی کی تحقیقی تصنیف **"عقیدہ امامت اور حدیث غدیر"** کا مسودہ ناچیز نے سرسری انداز میں دیکھنے کا ارادہ کیا تھا' لیکن انداز تحقیق ایسا سلیس اور نکھرا ہوا سامنے آیا کہ کوئی حرف چھوڑنے کو دل نہ چاہا' اور پورا مسودہ بہ غور پڑھے بغیر نہ رہ سکا۔

اہل تشیع نے اپنے ایک بنیادی عقیدے "عقیدہ امامت" پر جن آیات و احادیث سے استدلال کیا ہے' اس مختصر کتاب میں ان کا سیر حاصل جائزہ محققانہ اور منصفانہ انداز میں لیا گیا ہے۔ یہ جائزہ اس لحاظ سے ضروری تھا کہ اہل السنۃ و الجماعۃ اور اہل تشیع کے درمیان بیشتر اختلافات کا منبع درحقیقت یہی "عقیدہ امامت" ہے۔ یہ مسئلہ دلائل کی کسوٹی پر طے ہو جائے تو بنائے اختلاف ہی ختم ہو جاتی ہے۔

یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ امید کے مطابق کتاب کا انداز' مناظرانہ کے بجائے سلف صالحین کے طریقہ پر علمی متانت و سنجیدگی میں ڈھلا ہوا ہے' جس سے امید قائم ہوتی ہے کہ جو منصف مزاج اہل تشیع اسکا مطالعہ طلب حق کی نیت سے کریں گے' یہ خیر خواہانہ تحقیق انشاء اللہ ان کے لئے بھی مشعل راہ ثابت ہوگی۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

اللہ تعالیٰ اس مخلصانہ کاوش کو قبول فرما کر قارئین کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید' اور مصنف سلمہ کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے اور ان کے علم و عمل اور عمر میں برکت اور ترقیات ظاہرہ وباطنہ عطا فرمائے۔ آمین' ولله الحمد اولا و آخرا۔

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

۲۲/ ۱۲/ ۱۴۱۴ھ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم

نائب صدر جامعہ دار العلوم کراچی

الحمدللہ ، کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد :

برادر زادہ عزیز مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب سلمہ کا مقالہ **"عقیدہ امامت اور حدیث غدیر"** احقر نے تقریباً پورا از اول تا آخر مطالعہ کیا۔ یہ دیکھ کر دل بہت خوش ہوا کہ ماشاء اللہ عزیز موصوف نے شیعوں کے عقیدہ امامت ' حدیث غدیر ' حدیث ثقلین ' اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں شیعوں کے عقیدہ امامت بلافصل کے عقائد پر محققانہ انداز میں پورے علمی وقار اور متانت کے ساتھ کافی وشافی بحث کی ہے۔ موصوف کا انداز استدلال اور اسلوب بیان عالمانہ اور پر وقار ہے جو قاری کو علمی اطمینان عطا کرتا ہے۔ ضد اور عناد کا تو کوئی علاج نہیں ہے ' لیکن جو شخص بھی اس بحث کو انصاف اور حقیقت پسندی کے ساتھ پڑھے گا اسے انشاء اللہ ان موضوعات میں حق تک پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی۔ الحمدللہ ' اس تحریر سے خود احقر کی معلومات میں اضافہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ مولف موصوف کی عمر ' علم اور عمل میں برکت عطا فرمائیں اور انہیں مزید علمی و دینی خدمات کے لئے موفق فرماکر انہیں اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائیں۔ آمین

احقر

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۲ جمادی الاولی ۱۴۱۵ھ

استفتاء

بملاحظہ خدمت جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دام ظلکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ وبعد

ایک اہم مسئلہ جو آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں جس میں مجھے آپ کی رہنمائی کی اشد ضرورت ہے وہ منسلک صفحات میں واضح کیا گیا ہے۔ ان صفحات کی تحریر میں شیعہ عقیدہ امامیہ کو حق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے لئے چند قرآنی آیات اور احادیث کا سہارا بھی لیا گیا ہے اور سارا استدلال غدیر خم کے واقعہ پر رکھا گیا۔

میری درخواست ہے کہ شیعوں کی اس ہرزہ سرائی کا مدلل جواب دیا جائے تاکہ اس کی بنا پر طہران کے ادارہ کو عربی میں جواب دیا جاسکے غدیر خم والے واقعہ کا ذرا تفصیل سے ذکر ہونا چاہئے کہ وہاں رکنے کی ضرورت کیوں اور کس وقت وقت پیش آئی اور اگر وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی تقریر فرمائی تو اس تقریر کا موضوع کیا تھا جس پر شیعہ اپنے عقیدہ باطلہ امامیہ کی عمارت کی بنیاد رکھتے ہیں۔

بعض شیعہ عالم بخاری شریف جلد نہم کی ایک حدیث نمبر ٣٢٩ کا بھی حوالہ دیتے ہیں اور اس میں ١٢ حاکموں کے ذکر کو اپنے ١٢ اماموں پر فٹ کرتے ہیں۔ تو ازراہ کرم اس حدیث کی غرض وغایت پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ حدیث کے الفاظ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

٣٢٩ – حدثنا محمد بن المثنی : حدثنا غندر : حدثنا شعبة ، عن عبد الملك : سمعت جابر بن سمرة ، قال : سمعت النبی صلی اللہ علیه وسلم یقول :یکون اثناعشر امیرا ، فقال کلمةلم اسمعها ، فقال ابی : انه قال : کلهم من قریش

راقم الحروف کے لئے یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ آپ سے بصد ادب درخواست ہے کہ اس کا مستند جواب جہاں تک ممکن ہو جلد عنایت فرمائیں جواب کے لئے دو (٢) روپیہ کا ٹکٹ پیش خدمت ہے۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔

(اقبال حسین انصاری)

عقیدہ امامت اور حدیث غدیر

"عقیدہ امامت" شیعوں کا بنیادی عقیدہ ہے' اس عقیدہ کو ان کے یہاں اصول دین میں شمار کیا جاتا ہے جس کے بغیر وہ آدمی کا ایمان نامکمل سمجھتے ہیں ان کے نزدیک اصول دین پانچ ہیں (۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوت (۴) امامت (۵) قیامت[۱]

اسی عقیدہ "امامت" کی عملی شکل کو وہ "ولایت" سے تعبیر کرتے ہیں اور بقول شیعہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج اور ولایت اور ان میں بھی سب سے افضل "ولایت" ہے۔ بعض شیعہ مصنفین نے ان پانچ چیزوں میں طہارت اور جہاد کو بھی شامل کر کے اسلام کی بنیاد سات چیزوں کو بتایا ہے جن میں سب سے افضل "ولایت" ہی ہے[۲]

شیعہ کے نزدیک عقیدہ امامت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر امت کی ہدایت کے لئے اماموں کو متعین کرنا واجب ہے' اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے بارہ امام متعین کئے ہیں جن میں سے گیارہ کا انتقال ہو چکا ہے' ان گیارہ میں

[۱] تحفہ العوام مقبول ص ۱۸' طبع شیعہ جنرل بک ایجنسی لاہور ۱۹۷۴ء

[۲] شیعہ مذہب میں "عقیدہ امامت" کی اہمیت کے لئے ملاحظہ فرمائیں:
مقدمة الامامة لابی نعیم الا صبہانی بتحقیق الدکتور علی ناصر، طبع المدینة المنورة ص ۲۵، دعائم الاسلام للقاضی نعمان بن محمد التمیمی ج ۱ ص ۲ و ص ۱٤، طبع دارالمعارف مصر، و کتاب الاصول من الکافی للکلینی ج ۲ ص ۱۸ طبع تہران ۱۳۸۸ ھ و کشف الاسرار للخمینی معرب ص ۱۲۱ تا ۱۹۸، طبع دار عمار، عمان اردن، و حق الیقین در اصول دین از محمد باقر مجلسی باب پنجم ص ۳۵ تا ۵۰ طبع تہران ۱۳۹۰ ھ

سب سے اول امام حضرت علیؓ تھے اور بارہویں امام غائب ہیں جنہیں ”امام منتظر“ کہا جاتا ہے۔

جبکہ جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک امامت ایک عقیدہ نہیں بلکہ احکام شرعیہ میں سے ایک اہم اور بنیادی حکم ہے' اہل سنت کے نزدیک اسلامی شریعت کے اجتماعی نفاذ کے لئے ضروری ہے کہ عامة المسلمین اپنے میں سے کسی اہل اور باصلاحیت فرد کو اپنا رئیس مقرر کریں جو اجتماعی طور پر احکام شریعت کو نافذ کرے[1]' یہ رئیس امیر المومنین کہلاتا ہے۔ یہی امام بھی کہلاتا ہے اور اس کے اقتدار کو امامت کبریٰ اور خلافت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

”امامت“ کے اس حکم اور مقصد کے پیش نظر اہل سنت کے نزدیک امام وقت کے لئے ظاہر ہونا اور صاحب اقتدار ہونا ضروری ہے' ورنہ وہ عامة المسلمین میں نظام عدل و انصاف کیسے قائم کرے گا؟ اور اجتماعی طور پر احکام شریعت کیسے جاری کر سکے گا؟

اس کے برخلاف شیعہ کے نزدیک امام کے لئے نہ ظاہر ہونا شرط ہے نہ صاحب اقتدار ہونا' بلکہ انکے نزدیک بے اختیار اور بے قدرت شخص بھی امام ہو سکتا ہے اگرچہ وہ کسی غار ہی میں کیوں نہ چھپا ہوا ہو۔

اس اختلاف کے نتائج

شیعہ نے جمہور امت سے ہٹ کر جو عقیدہ اختیار کیا اس کے بہت دوررس نتائج نکلے ہیں' بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ شیعہ سنی اختلافات کی بنیاد مسئلہ امامت پر ہے تو شاید غلط نہ ہو گا[2] اس بنیادی اختلافی مسئلہ کے چند پہلو درج ذیل ہیں۔

۱۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک عامة المسلمین پر واجب ہے کہ وہ کسی اہل اور باصلاحیت فرد کو اپنا امام مقرر کریں' جبکہ شیعہ کے نزدیک 'امام مقرر کرنا' اللہ پر واجب ہے' اسی کا ایک جزو یہ ہے کہ اہل سنت ”لایجب علی اللہ شیئی“ کے

[1] شرح العقائد للنسفی ص ۱۵۲ طبع خیر کثیر کراچی اور الفرق بین الفرق للامام عبدالقاہر بن طاہر البغدادی ص ۳۴۹ وغیرہ و دیگر کتب عقائد

[2] دیکھیں تحفہ اثنا عشریہ اردو [illegible] طبع نور محمد کراچی

قائل ہیں ۔ یعنی اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی جبکہ شیعہ وجوب علی اللہ کے قائل ہیں ۔ (جسکی تفصیل علم کلام کی کتابوں میں موجود ہے)

۲۔ اہل سنت کے نزدیک امام منصوص من اللہ نہیں ہوتا' جبکہ شیعہ کے نزدیک امام منصوص من اللہ ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اسے متعین کرتے ہیں ۔

۳۔ اہل سنت کے نزدیک امام کا اہل اور باصلاحیت ہونا تو ضروری ہے مگر معصوم ہونا کوئی ضروری نہیں جبکہ شیعہ کے نزدیک امام ہمیشہ معصوم ہوتا ہے ۔

۴۔ اہل سنت کے نزدیک امام کا ظاہر ہونا ضروری ہے تاکہ لوگ اپنی مشکلات اس سے حل کریں جبکہ شیعہ کے نزدیک امام کا پوشیدہ رہنا بھی جائز ہے' خواہ وہ طویل عرصہ سے کسی غار ہی میں کیوں نہ پوشیدہ ہو ۔

۵۔ اہل سنت کے نزدیک امام کا مقتدر و بااختیار ہونا ضروری ہے ورنہ وہ مسائل کیسے حل کرے گا؟ جبکہ شیعہ کے نزدیک امام کا بے قدرت اور بے اختیار ہونا بھی جائز ہے ۔

۶۔ اہل سنت کے نزدیک حضور ﷺ سے لیکر قیامت تک آنے والے اماموں کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے' موقع اور محل کے مطابق مسلمان اپنا امام متعین کرتے ہیں اور وہ امامت کے فرائض انجام دیتا ہے' جبکہ شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے بعد سے قیامت تک کے لئے بارہ امام مقرر کر دیئے ہیں اور بس قیامت تک صرف یہی بارہ امام ہیں ۔ (شیعہ کے اسی نقطہ نظر کی وجہ سے انہیں امامیہ اور اثنا عشریہ بھی کہا جاتا ہے)۔

۷۔ اہل سنت کے نزدیک حضور ﷺ کے بعد' آپ ؐ کی تصریح اور آپ ؐ کے اشارہ کے مطابق امت اسلامیہ کی طرف سے اپنا پہلا امام سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو چنا گیا' پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ' پھر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ' اور پھر سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اور یہ چاروں ائمہ برحق تھے اور پھر اپنے اپنے وقت میں امام آتے رہے اور قیامت تک آتے جائیں گے ۔ جن میں سے کوئی معصوم نہیں' البتہ بعض عادل ہیں اور بعض ظالم ہوں گے ۔ جبکہ شیعہ کے نزدیک قیامت تک کے لئے کل امام صرف بارہ ہیں جن میں حضور ﷺ کے بعد سب سے اول حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ' پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ' پھر حضرت علی زین العابدین رحمہ اللہ' پھر حضرت محمد باقر رحمہ اللہ' پھر حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ' پھر حضرت موسیٰ کاظم رحمہ اللہ' پھر حضرت علی رضا رحمہ اللہ' پھر حضرت محمد تقی رحمہ اللہ' پھر

حضرت علی نقی رحمہ اللہ، پھر حضرت حسن عسکری رحمہ اللہ، ان گیارہ اماموں کا انتقال ہو چکا ہے۔ پھر حضرت محمد مہدی رحمہ اللہ[1] یہ بارہویں امام ہیں جو ظالموں کے ظلم کی وجہ سے بامر خداوندی غائب ہوئے مگر زندہ ہیں جب خدا کی مصلحت ہوگی تب ظاہر ہوں گے۔[2]

۸۔ اہل سنت اگرچہ سیدنا حضرت علیؓ کی اہلیت، صلاحیت، اور ان کے فضائل کے دل و جان سے معترف ہیں مگر وہ انہیں حضور ﷺ کے بعد امام بلا فصل قرار نہیں دیتے۔ بلکہ انکی امامت علی ترتیب الخلافت کے قائل ہیں اور انہیں رابع الخلفاء الراشدین (یعنی خلفائے راشدین میں سے چوتھا) قرار دیتے ہیں۔ جبکہ شیعہ حضرت علیؓ کی امامت بلا فصل کے قائل ہیں یعنی وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت علیؓ امام بلا فصل تھے۔

۹۔ اہل سنت کے نزدیک سیدنا حضرت علیؓ کی خلافت چونکہ اپنی ترتیب پر واقع ہوئی ہے اس لئے وہ ان صحابہؓ و تابعین رحمہ اللہ کو ہرگز قصوروار نہیں سمجھتے جنہوں نے (باجماع امت) سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا عثمان غنیؓ کے ہاتھ پر

---

[1] دیکھیں تحفہ العوام طبع نولکشور ص ۶،۵۔ ان بارہ اماموں کے علاوہ شیعہ جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بھی معصوم مانتے ہیں۔ اور ان سب کو چاردہ معصوم کہا جاتا ہے (بحوالہ مذکورہ) ان بارہ اماموں میں سے چھٹے امام حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ تک تو سب شیعہ فرقوں کا اتفاق ہے اور ان کے بعد کے اماموں کی تعیین میں خود شیعہ میں زبردست اختلاف رہا ہے اور انہیں کی تعیین کی وجہ سے شیعہ میں بے شمار فرقے وجود میں آئے۔ دیکھیں الملل والنحل للشہرستانی ص ۱۶۱ ج ۱ اور تحفہ اثنا عشریہ وغیرہ۔

[2] ۱۔ ابوالحسن سیدنا علی بن ابی طالب المرتضیٰؓ (۰۰ ۔ ۴۰ ھ)
۲۔ ابو محمد الحسن بن علی الزکیؓ (۳ ۔ ۵۰ ھ)
۳۔ ابو عبداللہ الحسین بن علی الشہیدؓ (۴ ۔ ۶۱ ھ)
۴۔ ابو محمد علی بن الحسین "زین العابدین رحمہ اللہ" (۳۸ ۔ ۹۵ ھ)
۵۔ ابوجعفر محمد بن علی "الباقر رحمہ اللہ" (۵۷ ۔ ۱۱۴ ھ)
۶۔ ابو عبداللہ جعفر بن محمد "الصادق رحمہ اللہ" (۸۳ ۔ ۱۴۸ ھ)
۷۔ ابوابراہیم موسیٰ بن جعفر "الکاظم رحمہ اللہ" (۱۲۸ ۔ ۱۸۳ ھ)
۸۔ ابوالحسن علی بن موسیٰ "الرضا رحمہ اللہ" (۱۴۸ ۔ ۲۰۲ ھ)
۹۔ ابوجعفر محمد بن علی "الجواد" (التقی رحمہ اللہ) (۱۹۵ ۔ ۲۲۰ ھ)
۱۰۔ ابوالحسن علی بن محمد "الہادی" "النقی رحمہ اللہ" (۲۱۲ ۔ ۲۵۴ ھ)
۱۱۔ ابومحمد الحسن بن علی "العسکری رحمہ اللہ" (۲۳۲ ۔ ۲۶۰ ھ)
۱۲۔ ابوالقاسم محمد بن الحسن "المہدی رحمہ اللہ" (۲۵۶ ۔ ۲۶۰ ھ)
الامامۃ عند الجمہور والفرق المختلفۃ للدکتور علی احمد السالوس ص ۲۵

بیعت کی تھی جبکہ شیعہ کے نزدیک حضور ﷺ کے بعد امامت و خلافت بلافصل حضرت علیؓ کا حق تھی ۔اور اکثر صحابہؓ اور تابعینؒ نے ان کا یہ حق انہیں نہ دیا اس لئے وہ یا کافر ہیں یا فاسق[1] (نعوذ باللہ من ذلک)

۱۰۔ اہل سنت کے نزدیک حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت سے قبل خلفائے ثلاثہ کے ہاتھ پر جو بیعت کی اور سیدنا حضرت حسنؓ نے ان خلفائے ثلاثہ کے علاوہ حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بھی بیعت کی اور ان کے بعد گیارہ اماموں میں سے باقی حضرات نے اپنے اپنے دور میں جن خلفاء کے ہاتھ پر بیعت کی اس بیعت میں یہ سب حضرات مداہنت' منافقت' بزدلی یا کذب و تقیہ سے بالکل پاک صاف تھے' اہل سنت کے نزدیک ان بزرگ حضرات کی اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے خلفاء کے ہاتھ پر یہ بیعت' سوچ سمجھ کر شریعت کے احکام اور امت کی مصلحت کے عین مطابق تھی اور ان میں سے کسی بزرگ پر قطعاً کوئی الزام نہیں ہے ۔جبکہ شیعہ کے نزدیک ان گیارہ اماموں نے دوسروں کے ہاتھ پر جو بیعت کی تھی وہ دل سے نہ تھی بلکہ ان حضرات نے اس میں تقیہ (یعنی بچاؤ) سے کام لیا تھا ۔اسی بناء پر شیعہ نے "تقیہ" کو اپنے دین کا ایک اہم جزو قرار دیا ہے کیونکہ اس تقیہ کو ثابت کئے بغیر ان بزرگ حضرات سے الزام دور نہیں کیا جا سکتا۔

۱۱۔ جیسا کہ عرض کیا گیا اہل سنت کے نزدیک ائمہ متعین کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہی نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے ان کی کوئی تعداد بتلائی ہے ۔اس کے برخلاف شیعہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے کل بارہ امام متعین کئے ہیں جن میں سے گیارہ کا انتقال ہو چکا ہے اور بارہویں امام محمد مہدی' امام منتظر ہیں ۔وہ پیدا ہونے کے بعد فی الحال غائب ہیں ۔ایک خاص وقت میں ظاہر ہوں گے اور پوری دنیا کو انصاف سے بھر دیں گے ۔بارہ اماموں کی اس

---

[1] دیکھیں حق الیقین عربی لعبد اللہ بن شبر ، المبحث الخامس فی ذکر المطاعن (علی الصحابہ) و فصل فی جواب من اعتراض علی الامامیہ بتعرضہم للصحابہ من ص ۱۷۷ الی ۱۹۵ والمبحث السابع فی بیان الفتن الواقعہ بعد البنی و فی حقیقة امر الخلافة و فی سبب ارتداد اکثر ھدہ الامة بعد نبیہا ص ۲۱۳ طبع دار الکتاب الاسلامی - و حق الیقین فارسی از مولی محمد باقر مجلسی از ص ۱۵۵ تا ۲۷۸ طبع انتشارات کتابفروشی اسلامیہ تہران - و کشف اسرار فارسی از خمینی ، مخالفتہائے ابوبکر بانص قرآن از ۱۴۴ و مخالفت عمر با قرآن خدا از ص ۱۴۷ و نتیجہ سخن ص ۱۵۰ طبع ایران

تعداد کے نتیجہ میں شیعہ کو اپنے اس عقیدہ کی وجہ سے خود بخود اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ بارہویں امام (جو ۲۵٦ھ میں پیدا ہوئے اور ۲٦۰ھ میں چار سال کی عمر میں سُرَّ مَنْ رَاٰی شہر کے ایک غار میں غائب ہوئے) اب تک زندہ ہیں' ظالموں کے ظلم کی وجہ سے چھپے ہوئے ہیں' گویا ان کی عمر غیر معمولی طور پر لمبی ہے۔ (جس کی کوئی اور نظیر ہمارے سامنے موجود نہیں)

تین بنیادی نکات

مسئلہ "امامت" کے جن اختلافی پہلوؤں کی اوپر تفصیل بیان کی گئی ہے ان کا اگر بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو ان سب کی بنیاد صرف تین نکات پر معلوم ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر یہی تین نکات اصل ہیں' اگر قرآن و سنت کے صحیح دلائل سے یہ تین نکات ثابت ہوں تب تو شیعہ مذہب ثابت ہو سکتا ہے ورنہ شیعہ مذہب کو ثابت کرنا ہوا میں گرہ لگانے کی کوشش کرنا ہے۔ ہمارے خیال کے مطابق شیعہ کے وہ بنیادی تین نکات یہ ہیں۔

۱۔ توحید' رسالت' آخرت وغیرہ کی طرح "امامت" بھی اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ ہے۔

۲۔ قیامت تک کے لئے ائمہ کی کل تعداد بارہ ہے اور وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ (یعنی منصوص من اللہ) ہیں

۳۔ حضرت علیؓ امام بلافصل تھے۔

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا قرآن و سنت کے صحیح دلائل سے یہ تین نکات ثابت ہوتے ہیں؟ اگر علم کلام کے اہم اور مشہور مسئلہ "لایجب علی اللہ شیئی" سے بالکل قطع نظر کرلی جائے اور عقلی طور پر نیز عملی طور پر شیعہ مذہب کے بارہ اماموں خصوصاً بارہویں امام غائب کے بارے میں جو عظیم اشکالات پیدا ہوتے ہیں ان سے بھی بالکل صرف نظر کرلی جائے تب بھی اوپر ذکر کردہ یہ تین بنیادی نکات کسی طرح ثابت نہیں ہوتے۔ آیئے دیکھیں کہ شیعہ نے ان بنیادی تین نکات کو ثابت کرنے کی کیا کوشش کی ہے' اور جن دلائل کا سہارا لیا گیا ہے ان کی حقیقت کیا ہے؟

پہلا نکتہ ' عقیدہ امامت

شیعہ کا دعوی ہے کہ دیگر عقائد اسلامیہ توحید ' رسالت ' آخرت ' کی طرح عقیدہ "امامت" بھی ایمان کا جزو ہے اور عقیدہ امامت پر ایمان لائے بغیر مومن کا ایمان نامکمل ہے۔ شیعہ کے اس دعوی کے برعکس پورے قرآن مجید میں ہمیں ایک آیت بھی ایسی نظر نہیں آتی جس جس میں "امامت" پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہو ' یا "امامت" پر ایمان نہ رکھنے کو کفر و شرک قرار دیا گیا ہو۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر حقیقت یہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں "امامت" کا سرے سے کہیں ذکر ہی نہیں ہے ! ------سوال یہ ہے کہ احکام شرعیہ اگرچہ خبر واحد سے ثابت ہو سکتے ہیں مگر عقیدہ کے لئے تو نص متواتر کا ہونا لازمی ہے تو پھر یہ عقیدہ امامت کہاں سے ثابت ہوا؟ جبکہ پورے قرآن مجید میں اس عقیدہ امامت کا کہیں ذکر نہیں۔

شیعہ علماء نے اس چیستان کو حل کرنے کے لئے بڑی عجیب کوششیں کی ہیں۔ دور حاضر کے معروف ترین شیعہ عالم خمینی نے اپنی مشہور فارسی کتاب "کشف اسرار" میں "گفتار اول در توحید" کے عنوان سے توحید کے مختلف پہلوؤں پر ۱۳۱ صفحات لکھے ہیں اس کے بعد "گفتار دوم در امامت" کی بحث ۱۳۲ سے شروع کی ہے جو ص ۲۲۳ تک گئی ہے۔ اس بحث کے آغاز ہی میں ۱۳۲ پر انہوں نے خود یہ سوال اٹھایا ہے کہ جب "عقیدہ امامت" دین و مذہب کے چار بنیادی اصولوں میں سے چوتھا اصول ہے تو پھر قرآن کریم نے اس عقیدہ کو آیات قرآنی میں صراحتاً کیوں ذکر نہیں کیا؟ جناب خمینی نے اسکا یہ جواب دیا ہے کہ اگر "امامت" کا قرآن کریم میں صراحتاً ذکر کر دیا جاتا تو حضور ﷺ کے صحابہؓ اسکی زبردست مخالفت کرتے (!) اس لئے قرآن نے اس عقیدہ کو وضاحت سے ذکر نہیں کیا ' البتہ بہت سی آیات کے ذریعہ اسے ثابت کیا ہے۔ پھر جناب خمینی نے وہ آیات ذکر کی ہیں جو ہم آگے چل کر نقل کریں گے۔

یہاں دو باتیں قابل توجہ ہیں پہلی یہ کہ ایک طرف شیعہ کے نزدیک عقیدہ امامت کی توضیح اور ائمہ کی تعیین اللہ تعالیٰ پر واجب ہے ' دوسری طرف شیعہ کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی مخالفت کے ڈر سے وہ عقیدہ صراحتاً ذکر نہیں

کیا۔ تو کیا اس سے اللہ تعالیٰ پر الزام نہیں آتا کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اپنے واجب کی ادائیگی میں قاصر رہے؟۔ (تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا)

دوسری افسوسناک بات وہی ہے جو شیعہ مذہب کی بنیادی خرابیوں میں سے ایک ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ سے بدگمانی، بغض اور نفرت۔ شیعہ کا عقیدہ امامت اگر قرآن سے ثابت نہیں ہوتا تو اپنے آپ کو الزام دینے کے بجائے حسب معمول سارا الزام صحابہؓ کرام کے سر ڈال دیا گیا ہے اور یہ سمجھ لیا گیا کہ صحابہ کرامؓ کے سر الزام ڈال دینے سے عقیدہ امامت خود بخود ثابت ہو جائے گا۔ (!)

جناب خمینی نے "کشف اسرار" اور مولی محمد باقر مجلسی نے "حق الیقین در اصول دین" میں عقیدہ امامت کو ثابت کرنے کے لئے جو آیات ذکر کی ہیں وہ اصل آیات مع ترجمہ ذکر کی جاتی ہیں۔ قارئین انصاف سے خود اندازہ کرلیں کہ توحید، رسالت، قیامت کی طرح "امامت" کے جس عقیدہ پر ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے کیا وہ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے۔؟

۱۔ جناب خمینی کشف اسرار ص ۱۰۷ پر لکھتے ہیں: اینک بذکر بعضی از آیات کہ در موضوع امامت وارد شدہ می پردازیم، واز خرد کہ فرستادہ نزدیک خدا است داوری میخواہیم، [1] پھر پہلی آیت یہ لکھی ہے: (انہوں نے آیت کا صرف پہلا حصہ لکھا ہے ہم پوری آیت بمع ترجمہ نقل کررہے ہیں)

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا [2]

"اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی"، پھر اگر کسی چیز میں تم اختلاف کرنے لگو تو اس چیز کو اللہ اور رسول کی طرف حوالہ

---

[1] ترجمہ: اب ہم وہ چند آیات ذکر کرتے ہیں جو امامت کے موضوع پر نازل ہوئی ہیں۔ اور عقل سے، جو خدا کا قریب ترین فرستادہ ہے، انصاف چاہتے ہیں۔

[2] (النساء: ۵۹)

کیا کرو ' اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو ' یہ
بات بہتر ہے اور اسکا انجام بہت بہتر ہے ۔

اس آیت کے ابتدائی حصہ کو نقل کرنے کے بعد جناب خمینی نے عقلی قیاسات اور ذہنی دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس آیت میں "اولی الامر" سے مراد بارہ ائمہ ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ کیا مذہب کا عقیدہ محض عقلی قیاسات سے ثابت ہو سکتا ہے جبکہ قرآن کریم میں اسکا کوئی ذکر نہ ہو ۔ اس طرح تو کوئی بھی شخص قرآن کریم کی کوئی سی بھی آیت لیکر یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے خیال کے مطابق اس آیت میں فلاں لفظ سے فلاں شخص مراد ہے ۔ ایک عام آدمی بھی اگر یہ آیت پڑھے تو اسکے حاشیہ خیال میں بارہ اماموں کا تصور نہیں آ سکتا ۔ بالخصوص جبکہ خود اس آیت کے اگلے حصہ میں جسے خمینی نے ذکر نہیں کیا یہ بھی فرمایا جا رہا ہے کہ "اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف حوالہ کیا کرو"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکام اور عوام کے مابین اگر اختلاف پیدا ہو جائے تو اس اختلاف میں اللہ و رسول کا فیصلہ حرف آخر سمجھا جائے گا نہ کہ اولی الامر کا ۔ اگر اولی الامر سے ائمہ معصومین مراد ہوتے تو ان معصومین کی رائے چھوڑ کر قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم کیسا؟ جبکہ شیعہ کے نزدیک ان معصومین کی رائے بھی ہمیشہ معصوم ہوتی ہے وہ قرآن و سنت سے ہٹ کر کوئی بات کہہ نہیں سکتے ۔ اس لئے اس آیت سے "عقیدہ امامت" کا ثبوت بلاشبہ حیران کن حد تک غلط ہے ۔ [1] بلکہ اسی آیت کے تحت علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر الدر المنثور میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو قول نقل کیا ہے اس سے تو "ائمہ معصومین" کے عقیدہ کی بالکل ہی نفی ہو جاتی ہے بلکہ امامت کے مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کے مسلک کی پوری طرح تائید ہوتی ہے ۔

اخرج البیھقی عن علی بن ابی طالب قال لایصلح الناس
الا امیر بر او فاجر قالوا ھذا البر فکیف بالفاجر ، قال ان
الفاجر یومن اللہ بہ السبل ویجاھد بہ العدو ، ویجیی بہ
الفیئی ویقام بہ الحدود ، ویحج بہ البیت ویعبد اللہ فیہ

---

[1] دیکھیں تفسیر قرطبی اور تفسیر مظہری وغیرہ

آمنا حتی یاتیہ اجلہ[1]

ترجمہ: یعنی بیہقی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت علیؓ ابن ابی طالب کا ارشاد ہے: لوگوں کی اصلاح امیر ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے خواہ وہ امیر نیک ہو یا برا' حاضرین نے عرض کیا کہ نیک امیر کی بات تو سمجھ میں آتی ہے مگر برے امیر کی بات سمجھ میں نہیں آئی (کہ اس سے کیا فائدہ؟)۔ حضرت علیؓ نے فرمایا' برے حاکم کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ راستوں کو پر امن کر دیتے ہیں' اسکی قیادت میں کافر دشمن سے جہاد ہوتا رہتا ہے' مال فے آتا ہے' حدود قائم ہوتی ہیں' بیت اللہ کا حج جاری رہتا ہے اور اسکی حکومت میں ایک مسلمان مرتے دم تک امن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لیتا ہے[2]

۲۔ جناب خمینی نے عقیدہ امامت کے اثبات پر سورہ مائدہ کی اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَه، وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ، اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ[3]

اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے' اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اسکا پیغام' اور اللہ تجھ کو بچا لے گا لوگوں سے بے شک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو۔

خمینی صاحب کا خیال ہے کہ اس آیت میں جس چیز کے پہنچانے کا حکم ہے اس سے مراد شریعت نہیں بلکہ "عقیدہ امامت" ہے جس کی تبلیغ کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا۔ حالانکہ خمینی صاحب کے دعوی کے برعکس اس آیت میں کہیں دور

---

[1] (الدر المنثور للسیوطی ص ۱۷۸ ج ۲)
[2] سیدنا حضرت علیؓ کا یہ قول تھوڑے سے تغیر کے ساتھ نہج البلاغہ میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ دیکھیں نہج البلاغہ ص ۱۰۷ طبع دار الکتب العربیہ مصر
[3] (۶۷۔ المائدہ)

دور امامت کا ذکر نہیں ہے۔ شیعہ مصنفین نے اس آیت سے حضرت علیؓ کی "امامت بلا فصل"، پر بھی بہت استدلال کیا ہے جسکی تفصیل انشاء اللہ تیسرے نکتہ میں عرض کر دی جائے گی۔

اس کے علاوہ جناب خمینی نے مندرجہ ذیل آیات سے عقیدہ امامت ثابت کیا ہے:

۳۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا، اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا، اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔[1]

۴۔ سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ، لِّلْکٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ، مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ

مانگا ایک مانگنے والے نے عذاب پڑنے والا منکروں کے واسطے، کوئی نہیں اسکو ہٹانے والا، آئے اللہ کی طرف سے جو چڑھتے درجوں والا ہے۔[2]

۵۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رَاکِعُوْنَ

تمہارا رفیق تو وہی اللہ ہے اور اسکا رسول اور جو ایمان والے ہیں جو کہ قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوۃ اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔[3]

۶۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔[4]

۷۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

---

[1] (مائدہ۔ ۳)
[2] (المعارج۔ ۳)
[3] (المائدہ۔ ۵۵) [4] (آل عمران۔ ۱۰۳)

اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچوں کے ۔[۱]

۸۔ وَقِفُوهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُولُوْنَ

اور کھڑا رکھو انکو، ان سے پوچھنا ہے ۔[۲]

۹۔ اِنِّی جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا، قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ، قَالَ لَايَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِيْنَ

اللہ نے فرمایا (اے ابراہیم) میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا امام، وہ بولے اور میری اولاد میں سے بھی، اللہ نے فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا ۔[۳]

۱۰۔ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ

سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تمکو معلوم نہیں ۔[۴]

۱۱۔ وَارْكَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ

اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ[۵]

۱۲۔ اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

تیرا کام تو ڈرانا ہے، اور ہر قوم کے لئے ہوا ہے راہ بتانے والا ۔[۶]

جو آیات کریمہ اوپر تحریر کی گئی ہیں انکو یا ان کے ترجمہ کو دیکھ کر ناظر کو عقیدہ امامت کا سان گمان بھی نہیں ہوتا مگر جناب خمینی کا خیال ہے کہ تیسری آیت میں نعمت سے مراد امامت، چوتھی آیت میں سوال کرنے والے سے مراد امامت کے بارے میں سوال کرنے والا، پانچویں آیت میں ایمان والوں سے ائمہ، چھٹی آیت میں حبل اللہ سے مراد "امامت" ساتویں آیت میں صادقین سے مراد ائمہ ہیں ۔ آٹھویں

---

[۱] (توبہ ۔ ۱۱۹)
[۲] (الصافات ۔ ۲۴)
[۳] (البقرہ ۔ ۱۲۴)
[۴] (النحل ۔ ۴۳)
[۵] (البقرہ ۔ ۴۳)
[۶] (الرعد ۔ ۷)

آیت میں قیامت کے اندر امامت کا سوال مراد ہے۔ خمینی صاحب کے خیال کے مطابق نویں آیت سے بھی بارہ اماموں کی امامت ثابت ہوتی ہے اور دسویں آیت میں اہل ذکر سے اور گیارہویں آیت میں راکعین سے مراد حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ ہیں۔اور بارہویں آیت میں ''ھاد'' سے بھی حضرت علی مراد ہیں۔

جو شخص بھی غیر جانبداری اور انصاف کے ساتھ قرآن کی ان آیات کا مطالعہ کرے اس کے لئے ان آیات سے ''عقیدہ امامت'' ثابت کرنا اور پھر اس عقیدہ امامت پر اپنے دین و مذہب کی پوری عمارت قائم کرنا کیسے ممکن ہو گا؟ مگر حیرانی کی بات ہے کہ شیعہ مصنّفین قرآن کریم کی انہیں آیات کو اپنی من گھڑت مزعومہ روایات کے مطابق ڈھال کر اپنا ''عقیدہ امامت'' ثابت کرتے ہیں۔کیا ایسا کرنا قرآن مجید کی تحریف معنوی نہیں ہے؟

دوسرا نکتہ' بارہ امام

مسئلہ امامت میں دوسرا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ شیعہ کے نزدیک قیامت تک کے لئے ائمہ کی کل تعداد بارہ ہے اور وہ سب معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کردہ ہیں۔

عقیدہ امامت کے اس دوسرے حصہ کو ثابت کرنے کے لئے بھی شیعہ کے پاس قرآن کریم کی کوئی آیت نظر نہیں آتی۔ سورہ فاتحہ سے سورہ الناس تک سارا قرآن پڑھتے چلے جائیں کسی آیت میں ان بارہ اماموں کا کوئی ذکر نہیں ملتا جنہیں اللہ تعالیٰ نے ---بقول شیعہ ---قیامت تک کے لئے متعین کر دیا ہے۔جب قرآن کی کسی آیت یا سنت متواترہ میں ان بارہ اماموں کا صراحتاً یا اشارتاً ذکر نہیں ملتا پھر یہ کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان بارہ اماموں کو قیامت تک کے لئے متعین کر دیا ہے؟ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے شیعہ نے یہ دعوی کیا ہے کہ ہر پچھلے امام نے آنے والے امام کو بتایا تھا چنانچہ ملا محمد باقر مجلسی ''حق الیقین فی اصول الدین'' میں لکھتے ہیں:

''وجہ اول آنکہ ازہمہ ظاہر تر و آسان تر است و مناسب لطف و مرحمت و حکمت الٰہی است آنست کہ چنانچہ دانستی نص حضرت رسول اللہ ﷺ بر امامت احدی از امت و نص امام سابق بر امام لاحق چنانکہ معلوم خواہد شد کہ ائمہ اثنی عشر

صلوات اللہ علیہم ھم منصوصند بہ امامت از جناب خدا ورسول و امام سابق[1]''

یعنی ہر امام سابق نے امام لاحق کو امامت کے بارے میں بتایا تھا۔ اگر شیعہ کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ ایک امام نے دوسرے کو امام بنایا یا بتایا تھا تو بھی اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بارہ امام قیامت تک کے لئے متعین کر دیئے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ایک طرف شیعہ امامت کو عقیدہ بتاتے ہیں (اور عقیدہ کسی ایک شخص کے کہنے سے ثابت نہیں ہوا کرتا خواہ وہ کتنا ہی بزرگ شخص کیوں نہ ہو' اس کے لئے قرآن کی نص صریح یا احادیث متواترہ کا ہونا ضروری ہے) اور دوسری طرف اس عقیدہ کو محض ایک فرد کے ذریعہ سے ثابت مانتے ہیں؟ کیا یہ علمی دنیا کی عجیب ترین بات نہیں ہے؟

قرآن کریم میں تو بارہ اماموں کے بارے میں کوئی آیت یقیناً موجود نہیں مگر کیا احادیث متواترہ میں بارہ اماموں کا ذکر آیا ہے؟ اس پہلو سے ہم احادیث کے معتبر ذخائر کا جائزہ لیتے ہیں تو بھی ہمیں اس سلسلہ میں کوئی حدیث متواتر نظر نہیں آتی' بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر' پورے معتبر ذخیرہ حدیث میں ایک بھی حدیث ایسی نہیں ملتی جس میں ان بارہ ائمہ معصومین کا ذکر کیا گیا ہو جن کے بارے میں شیعہ عقیدہ امامت کے قائل ہیں۔ لے دے کر شیعہ عالم اسی ایک مجمل حدیث کا حوالہ دیتے ہیں جسے آپ نے اپنے گرامی نامہ میں تحریر کیا ہے مگر اس مجمل حدیث کی بھی جتنی روایات' حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں ان میں سے کسی بھی روایت سے بارہ ائمہ معصومین کی امامت ثابت نہیں ہوتی۔

بخاری شریف کتاب الاحکام' باب الاستخلاف (۷۲۲۲) میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔

عن عبد الملک سمعت جابر بن سمرۃ، قال سمعت النبی
یقول یکون اثنا عشر امیرا -- فقال کلمۃ لم اسمعھا --
فقال ابی انہ قال کلھم من قریش

عبد الملک کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن سمرۃؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ بارہ

---

[1] حق الیقین فی معرفۃ اصول الدین ص ۷ ۳ طبع کتاب فروشی اسلامیہ تہران

امیر ہوں گے ۔اس کے بعد آپ ؐ نے کچھ اور بات ارشاد فرمائی مگر وہ میں نہ سن سکا۔ میرے والد نے بتایا کہ آپ ؐ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ سب بارہ امیر قریش میں سے ہوں گے [۱]

یہی حدیث مسلم شریف میں بھی کئی روایتوں کے ساتھ کتاب الامارہ میں آئی ہے ۔نیز جامع ترمذی کی کتاب الفتن اور ابو داوٗد کی کتاب المہدی نیز مسند احمد میں بھی یہ روایت آئی ہے ۔ان سب روایتوں کے راوی حضرت جابر بن سمرہؓ ہیں ۔ان سب روایتوں کو سامنے رکھ کر جو پورا واقعہ سامنے آتا ہے وہ (روایتوں[۲] کے فرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) درج ذیل ہے :

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جمعہ کا دن تھا اور شام کا وقت اور یہی وہ دن تھا جس دن حضرت ماعز اسلمی کو رجم کیا گیا تھا۔ (مسلم شریف) حجۃ الوداع کا موقعہ تھا اور میرے والد کی سواری رسول ﷺ کی سواری کے نسبتاً زیادہ قریب تھی (مسند احمد) میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا' آپ فرما رہے تھے (۱) بارہ امیر ہوں گے ۔ (بخاری) (۲) یہ بات ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ ان میں بارہ خلیفہ گزر جائیں ۔ (مسلم) (۳) لوگوں کا معاملہ چلتا رہے گا جب تک کہ بارہ مرد حاکم نہ بن جائیں (مسلم) (۴) اسلام غالب ہی رہے گا بارہ خلیفہ تک (مسلم) (۵) دین قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے یا تم پر بارہ خلیفہ ہوں (مسلم) (٦) دین ہمیشہ غالب رہے گا بارہ خلیفہ تک (ابو داوٗد) اس پر لوگوں نے اللہ اکبر کہا اور شور مچا۔ اس دوران حضور ﷺ نے ایک بات کہی جو

---

[۱] فتح الباری ص ۲۱۱ ج ۱۳ طبع لاہور

[۲] راجع تکملۃ فتح الملہم للشیخ محمد تقی العثمانی حفظہ اللہ تعالیٰ من ص ۲۸۳ الی ۲۸۷ ج ۳

> میری سمجھ میں نہ آئی، میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ ﷺ نے کیا فرمایا ہے؟ میرے والد نے بتایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ سب کے سب قریش سے تعلق رکھتے ہوں گے [۱]

بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد اور احمد کی تمام روایتوں کو سامنے رکھ کر کل واقعہ اتنا ہی ثابت ہوتا ہے جو اوپر تحریر کیا گیا۔ اس واقعہ میں حضور ﷺ کا جو جملہ حضرت جابر بن سمرہؓ نے بیان کیا اسے راویوں نے چھ الفاظ سے نقل کیا ہے ان چھ الفاظ کو حوالوں کے ساتھ ہم نے واقعہ کے ضمن میں نقل کر دیا ہے۔ ان سب روایتوں کو دیکھ لیا جائے تو مندرجہ ذیل چار امور کھلی آنکھوں نظر آتے ہیں۔

۱۔ کسی ایک روایت میں بھی نہ اماموں کا ذکر ہے نہ امامت کا۔

۲۔ تمام روایتوں میں یا امیر کا لفظ ہے یا خلیفہ کا یا حاکم کا۔

۳۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ شیعہ کے بارہ ائمہ میں سے سیدنا حضرت علیؓ اور سیدنا حضرت حسنؓ کے علاوہ کوئی بھی بزرگ اپنی زندگی میں نہ امیر بنا نہ خلیفہ بنا، نہ حاکم بنا۔ اس لئے اس روایت سے وہ بارہ ائمہ کیسے مراد لئے جا سکتے ہیں جنہیں شیعہ "ائمہ معصومین" قرار دیتے ہیں۔

۴۔ شیعہ کے نزدیک "بارہ ائمہ معصومین" کا تعلق اہل بیت سے ہے۔ جبکہ حدیث شریف میں جن بارہ امیر یا بارہ خلفاء کا ذکر ہے تمام روایتوں کے مطابق اس سے قریش سے تعلق رکھنے والے بارہ خلفاء [۲] مراد ہیں۔ کسی ایک روایت میں بھی اہل بیت کا لفظ موجود نہیں ہے۔ نتیجتاً اس حدیث شریف کو جس پہلو سے بھی لیا

---

[۱] (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد)

[۲] قریش کے یہ بارہ خلفاء کون سے ہیں جن کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے اور جن کے زمانہ میں دین اسلام غالب و مضبوط رہے گا۔ علماء اور شرح حدیث نے اس کے مصداق کی تعین میں بہت کلام کیا ہے۔ بعض شراح کے نزدیک (۱) ابتداء اسلام کے بارہ خلیفہ بشمول خلفاء اربعہ مراد ہیں۔ (۲) بعض کے نزدیک خلفائے راشدین کے بعد کے بارہ خلیفہ مراد ہیں۔ (۳) بعض کے نزدیک قرب قیامت کے بارہ خلیفہ مراد ہیں۔ (۴) اور بعض کے نزدیک ابتدائے اسلام سے لیکر قیامت تک کے بارہ نامور عادل خلیفہ مراد ہیں۔
تفصیل کے لئے دیکھیں فتح الباری ص ۲۱۱ تا ۲۱۵ ج ۱۳ اور تکملہ فتح الملہم ص ۲۸۳ تا ۲۸۷ ج ۳

جائے ۔اس سے بارہ اماموں کا عقیدہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ شیعہ جن بارہ اماموں کی امامت کا عقیدہ رکھتے ہیں ان بارہ اماموں کا وجود نہ قرآن مجید کی کسی آیت سے ثابت ہے نہ کسی صحیح حدیث شریف سے ۔اور قرآن و حدیث کا ایک ادنی طالب علم بھی اس بے بنیاد عقیدہ کو باآسانی رد کر سکتا ہے ۔

تیسرا نکتہ :سیدنا حضرت علیؓ کی امامت بلافصل

آپ نے عقیدہ امامت کے پہلے دو نکتوں کے بارے میں دیکھ لیا کہ شیعہ کے پاس اتنے بڑے عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے دلائل کا کتنا قحط ہے اور قرآن و حدیث سے کوئی بھی صحیح دلیل انکی تائید نہیں کرتی ۔شیعہ کا تیسرا نکتہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے بعد حضرت علیؓ کو امام بلافصل بنایا تھا۔شیعہ نے اس تیسرے نکتہ کو ثابت کرنے پر بہت زور دیا ہے ۔کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اگر حضور ﷺ کے بعد سیدنا حضرت علیؓ کی امامت بلافصل ثابت ہو جائے تو باقی ائمہ (بارہ اماموں) کی امامت یکے بعد دیگرے خود ثابت ہو جائے گی کیونکہ وہ سب اہل بیت سے تعلق رکھتے تھے ۔اس لئے شیعہ پہلے اور دوسرے نکتہ 'عقیدہ امامت اور بارہ اماموں کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنے کے بجائے (یا دوسرے لفظوں میں اس کوشش میں ناکام ہونے کے بعد) حضرت علیؓ کی امامت بلافصل کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ پہلا نکتہ 'عقیدہ امامت اور دوسرا نکتہ 'بارہ امام اس تیسرے نکتہ کے ضمن میں خود بخود ثابت ہو جائیں ۔

شیعہ کی اس شعوری یا غیر شعوری کوشش سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ شیعہ کا جمہور اہل سنت سے اختلاف در حقیقت علمی اختلاف ہی نہیں ہے بلکہ واقعاتی اور سیاسی اختلاف تھا جسے علمی رنگ دیا گیا ہے اور اس اختلاف کی بنیاد عبد اللہ بن سبا نے ڈالی تھی [1] اس شخص نے نظام خلافت کو تباہ کرنے اور مسلمانوں کی اجتماعیت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے عقیدہ امامت تصنیف کیا اور اسکی بنیاد سیدنا حضرت علیؓ کی محبت اور انکی امامت بلافصل پر رکھی ۔اسی لئے اب بھی شیعہ سمجھی یا نا

[1] دیکھیں تاریخ مذہب شیعہ ' تحفہ اثنا عشریہ' منہاج السنہ لابن تیمیہ اور اس موضوع کی دیگر کتب ۔

سمجھی میں اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے پوری کوشش اسی امر پر مرکوز رکھتے ہیں۔ کہ کسی طرح سیدنا حضرت علیؓ کی امامت بلا فصل کو ثابت کیا جائے اور چونکہ سیدنا حضرت علیؓ کی امامت بلا فصل اس وقت تک ثابت نہیں ہو سکتی جب تک کہ پہلے تین خلفائے راشدین کی خلافت سے انکار نہ کیا جائے۔ اس لئے شیعہ کی پوری کوشش اس امر پر بھی مرکوز رہتی ہے کہ تینوں اولین خلفاء راشدین (سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، سیدنا حضرت عثمانؓ) کی خلافت سے انکار کیا جائے۔ انہیں خلافت کے لئے نا اہل ثابت کیا جائے اور ان خلفائے ثلاثہ (اور ان کے اعوان و متبعین) میں جس قدر عیب نکالے جا سکتے ہوں وہ نکالے جائیں تاکہ سیدنا حضرت علیؓ کی امامت بلا فصل کا دعوی کیا جا سکے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا

امامت بلا فصل کے بارے میں شیعہ دلائل کا اجمالی جائزہ

سیدنا حضرت علیؓ کی امامت بلا فصل کو ثابت کرنے کے لئے شیعہ نے جو دلائل دیئے ہیں وہ ہم آگے نقل کریں گے ان سب کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی بھی غیر جانبدار قاری مندرجہ ذیل نتائج باآسانی اخذ کر سکتا ہے۔

ا۔ شیعہ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی جتنی آیات پیش کرتے ہیں ان میں سے ایک آیت بھی اس مفہوم کو ثابت نہیں کرتی۔ شیعہ مولفین کا طریقہ یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی ایک آیت ذکر کرتے ہیں جس میں دور دور نہ امامت کا ذکر ہوتا ہے نہ حضرت علیؓ کا، اور آیت نقل کرنے کے بعد وہ اپنی کوئی روایت نقل کرتے ہیں اور روایت ایسی ہوتی ہے جو حدیث کی کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں ہوتی بلکہ وہ انکی اپنی کتابوں میں لکھی ہوئی یا ان کے اپنے راویوں کی روایت کردہ ہوتی ہے اور اس روایت کو نقل کرنے کے بعد دعوی کرتے ہیں کہ دیکھو اس آیت سے یہ عقیدہ ثابت ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے سیدنا حضرت علیؓ کی امامت بلا فصل کے مسئلہ پر جتنی آیتیں پیش کی ہیں ان میں سے ایک آیت میں بھی یہ مسئلہ ذکر نہیں، نہ اس آیت کے سیاق و سباق سے اس مسئلہ کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ ہاں اس آیت کو نقل کرنے کے بعد شیعہ اپنی مزعومہ روایات ذکر کر کے اپنی بات قرآن کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۲۔ احادیث کے سلسلہ میں شیعہ کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ دو طرح کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں (الف) ان احادیث سے جو حدیث کی متداول اور مستند کتابوں میں موجود نہیں بلکہ یا تو صرف شیعہ مصنفین کی کتابوں میں ملتی ہیں یا اگر کسی سنی راوی نے انکو نقل بھی کیا ہے تو شیعہ راویوں کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ظاہر ہے کہ ان یکطرفہ ناقابل اعتبار روایات سے شیعہ کا استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے؟

(ب) شیعہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جو حدیث کی متداول کتابوں میں موجود ہیں اور سند کے اعتبار سے بھی صحیح اور حسن کے درجہ پر ہیں اور یہ سب وہ احادیث ہیں جن میں سیدنا حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب ذکر کئے گئے ہیں' شیعہ فضائل و مناقب کی ان صحیح احادیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ جب سیدنا حضرت علیؓ کے یہ فضائل یقینی ہیں تو وہ امامت بلافصل کے بھی یقیناً مستحق ہیں لیکن شیعہ کا یہ طریق استدلال ایک سطحی مغالطہ کے سوا کچھ نہیں ہے کیونکہ جہاں تک سیدنا حضرت علیؓ کے بے شمار فضائل و مناقب کا معاملہ ہے' خارجی ان فضائل کے منکر ہوں تو ہوں' مگر اہل سنت والجماعت کا کوئی خوشہ چین سیدنا حضرت علیؓ کے ان فضائل کا انکار نہیں کرتا' بلکہ ان فضائل کو دل و جان سے تسلیم کرتا' انکی نشرو اشاعت کرتا' انہیں پڑھتا پڑھاتا اور اگلی نسلوں تک پہنچاتا ہے۔اس لئے فضائل سیدنا حضرت علیؓ کے ثبوت میں کسی اختلاف کا کوئی سوال نہیں' نہ اہل سنت' شیعہ فرقہ سے فضائل (سیدنا علیؓ) کے سلسلہ میں دلائل کے خواستگار ہیں بلکہ صحیح اور مستند فضائل کا جو ذخیرہ اہل سنت نے خوارج کے مقابلہ میں جمع کیا ہے شیعہ تو اس سے بالکل تہی دامن ہیں۔

بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اہل سنت' سیدنا حضرت علیؓ کی اپنے وقت پر امامت کے بھی منکر نہیں' وہ اس بات پر دل و جان سے یقین رکھتے ہیں کہ سیدنا حضرت علیؓ کی شخصیت والا صفات' ان تمام فضائل سے مزین ہے جو صحیح احادیث میں بیان کئے گئے ہیں اور یہ کہ سیدنا حضرت علیؓ شروع سے اس امامت کی اہلیت و صلاحیت رکھتے تھے جس کی ذمہ داری چوتھے خلیفہ راشد کے طور پر انہیں اٹھانا پڑی۔ یہ اور بات ہے کہ شروع میں ان سے اہل تر حضرت بھی موجود تھے' اس لئے عملاً وہ پہلے خلیفہ بنے۔اہل سنت یقین رکھتے ہیں کہ سیدنا حضرت علیؓ میں اس امامت کی

اہلیت ، صلاحیت اس وقت بھی موجود تھی جب وہ حضور رحمت اللعالمین ﷺ کی حیات طیبہ میں عظیم دینی خدمات انجام دے رہے تھے ' اور اس وقت بھی جب وہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ' سیدنا عمر فاروق ؓ اور سیدنا عثمان غنی ؓ کے دور میں ان حضرات کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنے علم و فضل اور کرم و شجاعت سے امت کو فیضیاب کر رہے تھے ۔

اس لئے یہ بات اچھی طرح دو ٹوک انداز میں سمجھ لینی چاہئے کہ اہل سنت نہ حضرت علی ؓ کے فضائل کے منکر ہیں نہ انکی امامت و قیادت کی صلاحیت سے ۔ہاں اہل سنت سیدنا حضرت کی علی ؓ کی امامت بلا فصل کے اس بے بنیاد عقیدہ کو غلط سمجھتے ہیں جس کے شیعہ قائل ہیں کیونکہ سیدنا حضرت علی ؓ کی امامت بلا فصل کا اعتقاد نہ صرف یہ کہ بے بنیاد ہے بلکہ بالکل خلاف واقعہ ہے ۔ شیعہ اپنے موقف کی تائید کے لئے جتنی معتبر حدیثیں پیش کرتے ہیں ان میں حضرت علی ؓ کے فضائل و مناقب کا ذکر ہے یا ان کی اہلیت و صلاحیت کا 'مگر ان میں سے ایک حدیث میں بھی امامت بلا فصل کا ذکر نہیں ہے ۔

شیعہ دلائل کے سلسلہ میں اس اجمالی جائزہ کے بعد اب ہم ان دلائل کو ذکر کرتے ہیں جن سے شیعہ نے امامت بلا فصل پر استدلال کیا ہے :

قرآنی آیات

شیعہ مصنفین مثلاً انکے مشہور عالم محمد باقر مجلسی نے اپنی فارسی تصنیف حق الیقین فی اصول الدین میں 'السید الاکبر السید عبد اللہ شبر نے اپنی عربی کتاب حق الیقین فی معرفۃ اصول الدین میں اور جناب خمینی نے اپنی فارسی تحریر کشف اسرار میں امامت علی بلافصل پر جن آیات سے استدلال کیا ہے وہ وہی آیات ہیں جو ہم پہلے نکتہ کی تشریح میں شیعہ استدلال کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں ۔ان آیات کو دوبارہ ملاحظہ کر لیا جائے اور دیکھ لیا جائے کہ کیا کسی آیت میں عقیدہ امامت سیدنا حضرت علیؓ کی امامت بلافصل کا کہیں کوئی ذکر ہے؟ ان مذکورہ آیات میں سے بھی شیعہ مصنفین زیادہ زور تین آیتوں پر دیتے ہیں اس لئے ہم بھی انہی تین آیات کے بارے میں واضح اور عام فہم باتیں پیش کر دیتے ہیں ۔

پہلی آیت

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (النساء :۵۹)

یہ آیت 'اسکا ترجمہ اور اس آیت میں ''اولی الامر'' کے مصداق کے بارے میں ہم پہلے نکتہ کے ضمن میں تشریح کر آتے ہیں ۔بہتر ہو گا کہ اسے دوبارہ ایک نظر دیکھ لیا جائے خصوصاً اس آیت کی تفسیر میں سیدنا حضرت علیؓ کا قول تو سب جھگڑوں کو ختم کرنے والا ہے ۔(دیکھیں ص ۲۳)

رہی وہ روایت جو اس آیت کے ضمن میں شیعہ مصنف نے نقل کی ہے جس کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ ''اولی الامر'' سے وہ بارہ معصوم امام مراد ہیں جن کی تاقیامت امامت کے شیعہ قائل ہیں' تو یہ روایت کسی معتبر کتاب میں کسی معتبر سند سے مروی نہیں اگر کوئی مصنف اپنے خیالات و معتقدات کو روایت کی شکل دیکر قرآن مجید کی کسی آیت کی

طرف منسوب کر دے تو اسکا کوئی علاج نہیں اور شیعہ مصنفین کا یہ وہ مخصوص طریق کار ہے جس کی نشاندہی ہم پچھلے صفحات میں کر آئے ہیں۔

دوسری آیت

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے دین تمہارا، اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا، اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔ (مائدہ۔ ۳)

اس آیت میں بھی نہ امامت کا ذکر ہے نہ سیدنا حضرت علیؓ کی امامت بلافصل کا کوئی تذکرہ، اس آیت کے ضمن میں شیعہ مصنف نے جو اپنی روایتیں نقل کی ہیں، ان کا بھی کسی معتبر کتاب میں کہیں ذکر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ شیعہ مصنف نے اس آیت کے بارے میں جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع سے واپسی کے موقعہ پر غدیر خم پر ۱۸ ذی الحجہ کو خطبہ کے بعد نازل ہوئی تھی، یہ دعویٰ حیران کن حد تک غلط ہے۔ کیونکہ تمام جمہور مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت کریمہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر میدان عرفات میں عرفہ کے دن یعنی ۹ ذی الحجہ بروز جمعہ شام کے وقت نازل ہوئی تھی[1] بلکہ خود سیدنا حضرت علیؓ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت عرفہ کی شام (یعنی ۹ ذی الحجہ کو) نازل

---

[1] یہاں وہ مشہور روایت نقل کرنا بیجا نہ ہوگا جو سیرت حدیث اور تفسیر کی تقریباً تمام مستند کتابوں میں موجود ہے کہ ایک یہودی نے سیدنا عمر فاروقؓ سے کہا کہ اے امیرالمومنین تمہاری کتاب اللہ میں ایک آیت ایسی ہے کہ وہ اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس کے نازل ہونے والے دن کو اپنی عید کا دن بنا لیتے، سیدنا عمر فاروقؓ نے پوچھا وہ کونسی آیت ہے، تو اس نے یہ آیت پڑھی۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، میں جانتا ہوں کہ یہ آیت کس دن اور کس جگہ نازل ہوئی تھی۔ یہ عرفہ والے دن بروز جمعہ عرفہ میں نازل ہوئی جبکہ حضور ﷺ نے میدان عرفات میں وقوف کیا ہوا تھا۔ (یعنی وہ حجۃ الوداع میں جمعہ کا دن تھا، عرفہ کا دن تھا، اور عرفات کا میدان تھا اس سے بڑھ کر عید کیا ہو سکتی ہے؟) (تفسیر قرطبی ص ۶۱ ج ۶ بحوالہ مسلم شریف، نسائی، و دیگر کتب احادیث۔ نیز مسلم شریف مترجم طبع قرآن محل کراچی ص ۹۷۶ ج ۳

ہوئی تھی ۔[1] علامہ آلوسی رہ اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں :

"شیعہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ مذکورہ آیت (الیوم اکملت لکم دینکم) غدیر خم پر اس وقت نازل ہوئی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے فرمایا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" پھر جب یہ آیت نازل ہوگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمة و رضاء الرب برسالتی و ولایة علی کرم اللہ تعالیٰ وجهه بعدی یعنی اللہ اکبر دین کے کام ہونے پر ' نعمت کے پورا کرنے پر ' پروردگار کے میری رسالت کی رضامندی پر ' اور علی کرم اللہ وجہ کی ولایت پر ---- علامہ آلوسی رہ یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت شیعہ کے افترات کا ایک نمونہ ہے اور (سند کے علاوہ) اس روایت کے رکیک الفاظ بھی خود اس افتراء پر گواہ ہیں ۔[2]

نامور مفسر علامہ ابن کثیر نے بھی اپنی مستند اور معتبر تفسیر ابن کثیر میں دو شیعہ روایتیں نقل کیں اور پھر فرمایا :

"نہ یہ روایت صحیح ہے اور نہ وہ ' بلکہ حق بات جس میں ادنی سے شک وشبہ کی گنجائش نہیں وہی ہے کہ یہ آیت یوم عرفہ (۹ زی الحجہ) کو جمعہ کے دن نازل ہوئی جیسا کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نیز حضرت شعبی ' حضرت قتادہ ' حضرت شہر بن جوشب اور دیگر ائمہ اور علماء کا بھی یہی قول ہے ۔[3]

یہی علامہ ابن کثیر اپنی مشہور کتاب "البدایہ والنہایہ" میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد جس میں کہا گیا ہے کہ یہ آیت غدیر خم پر نازل ہوئی تھی لکھتے ہیں :

"یہ حدیث نہ صرف انتہائی منکر ہے بلکہ کذب ہے ' کیونکہ اس میں صحیحین کی مستند حدیث کی مخالفت ہے جس میں امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت عرفہ والے دن بروز جمعہ نازل ہوئی تھی ۔[4]

---

[1] دیکھیں تفسیر ابن کثیر عربی ص ۱۲ ج ۲

[2] روح المعانی ص ۶۱ ج ۶ ۔ عربی ' نیز تفسیر کی ان شیعہ روایات پر تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو نصیحۃ الشیعہ از مولانا احتشام الحسن کاندھلوی رہ ص ۵۴۷ تا ۵۹۸ مکتبہ صدیقیہ ملتان

[3] تفسیر ابن کثیر عربی ص ۱۴ ج ۲

[4] البدایہ والنہایہ ص ۲۱۴ ج ۵

بلکہ امام فخر الدین الرازی نے تو اپنی جلیل القدر "تفسیر کبیر" میں اسی آیت سے شیعہ مذہب کے بطلان پر استدلال کیا ہے امام رازی لکھتے ہیں :

"ہمارے علماء نے فرمایا کہ یہ آیت (الیوم اکملت لکم دینکم) روافض کے قول کے بطلان پر دلالت کرتی ہے 'اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی ابتداء میں فرمایا ہے ۔ اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِیْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (آج کے دن کافر ناامید ہوگئے تمہارے دین سے 'سو ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو) جس نے واضح کر دیا کہ کافر دین میں تبدیلی سے مایوس ہوگئے ہیں اور یہ بھی فرما دیا کہ اب ان سے مت ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو ۔ اگر حضرت علیؓ بن ابی طالب کی امامت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے منصوص ہوتی یعنی نص واجب الطاعت ہوتی تو اسے چھپانے اور اسے تبدیل کرنے والے کو اس آیت کے مطابق ناامید ہو جانا چاہئے تھا 'یعنی صحابہؓ میں سے کوئی بھی اس نص کے انکار اسکی تبدیلی 'یا اس کے چھپانے پر قادر نہ ہوتا 'اور جب ان میں سے کوئی بات پیش نہ آئی 'بلکہ اس نص امامت کا نہ ذکر ہوا 'نہ اسکی خبر ظاہر ہوئی اور نہ اسکی کوئی روایت آئی تو ہمیں علم ہو گیا کہ اس نص کا دعویٰ محض کذب ہے اور یہ کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب یقیناً منصوص بالامامت نہیں تھے [1]

امام المتکلمین امام رازیؒ کی اس عبارت پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کیا جائے تو قاری بلاشبہ اسی نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ آیت "الیوم اکملت لکم دینکم" شیعہ کی نہیں بلکہ جمہور اہل سنت والجماعت کی کھلی دلیل ہے ۔ و اللہ الموفق

تیسری آیت

تیسری آیت جس سے شیعہ مصنفین بہت استدلال کرتے ہیں یہ ہے :

یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَه، وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ، اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ (۶۷-المائدہ)

اے رسول پہنچا دے جو تجھ پر اترا تیرے رب کی طرف سے 'اور اگر ایسا نہ کیا تو تو نے کچھ نہ پہنچایا اسکا پیغام 'اور

---

[1] تفسیر کبیر للامام فخر الدین الرازی ج ۳ ص ۱۳۹

اللہ تجھ کو بچالے گا لوگوں سے بے شک اللہ راستہ نہیں دکھلاتا قوم کفار کو۔

شیعہ کا کہنا ہے کہ یہ آیت غدیر خم کے خطبہ (۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ) سے کچھ قبل نازل ہوئی' اس سے قبل حضور ﷺ پر امامت علی کا حکم نازل ہو چکا تھا مگر آپ اس کے پہنچانے سے بوجوہ ڈر رہے تھے' یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی اور آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ امامت علی کے اس حکم کا لوگوں میں اعلان کر دیجئے ہم آپ کی حفاظت کریں گے چنانچہ اس آیت کے مطابق آپ ﷺ نے ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو غدیر خم کے موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت کا اعلان کر دیا بلکہ اپنے سامنے لوگوں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت لی --- آپ نے جو شیعہ مصنف کی تحریر بھیجی ہے اس میں نیز دیگر شیعہ محررین نے یہی موقف اختیار کیا ہے [1]

ہم اس آیت کی مکمل تفسیر و تشریح کے بجائے صرف چند نکات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ جس سے انشاء اللہ شیعہ استدلال کی پوری حقیقت واضح ہو جائے گی۔

۱۔ اس آیت کریمہ میں سب سے پہلے قابل غور بات یہ ہے کہ اس آیت سے شیعہ اپنا عقیدہ امامت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلافصل ثابت کرنا چاہتے ہیں جبکہ اس آیت میں نہ امامت کا ذکر ہے نہ سیدنا حضرت علیؓ کا' بلکہ عمومی طور پر حضور ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ تبلیغ احکام میں اپنی سی کوئی کمی نہ رہنے دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے گا باقی کافر مانیں یا نہ مانیں اس سے آپ کی شان تبلیغ متاثر نہیں ہوتی کیونکہ کافروں کی ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے' آپ کے قبضہ میں نہیں۔

یہ اس آیت کا خلاصہ اور مطلب۔ اس آیت کریمہ کے الفاظ' ترجمہ' اور سیاق و سباق سے دور دور نہ عقیدہ امامت ثابت ہوتا ہے نہ سیدنا حضرت علیؓ کی امامت بلافصل۔ اس لئے محض اس آیت سے عقیدہ امامت ثابت کرنا کیا قرآن پر افتراء نہیں ہے؟

(باقی رہیں غدیر خم کی روایات اس کے بارے میں انشاء اللہ ہم آگے عرض کریں گے)

---

[1] دیکھیں کشف اسرار خمینی فارسی ص ۱۶۴ تا ۱۶۵' حق الیقین فارسی از مولی محمد باقر مجلسی بحث اثبات امامت علی' و حق الیقین عربی از عبداللہ شبر ص ۱۳۹ وغیرہ۔

۲۔ بلکہ علامہ ابن تیمیہؒ اور جمہور مفسرین کے خیال کے مطابق یہ آیت شیعہ کے عقیدہ امامت کو رد کرتی ہے کیونکہ اس آیت میں حضور ﷺ کو دین کے سارے احکام پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو اگر عقیدہ امامت دین کا کوئی حکم ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ حضور ﷺ وہ حکم اپنی امت کو کھلے عام نہ بتلاتے اسی لئے حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ "جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ محمد مصطفیٰ ﷺ نے وحی میں سے کچھ چھپایا تھا وہ بالکل جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حکم دیا تھا کہ آپ سارا دین امت تک پہنچائیں"

نیز اگر "عقیدہ امامت" یا "امامت سیدنا علیؓ بلا فصل" کا حکم حضور ﷺ نے امت کو پہنچایا ہوتا تو کیسے ممکن تھا کہ امت اس حکم پر عمل نہ کرتی، یا کم از کم اختلاف کے موقعہ پر استدلال میں وہ حکم پیش نہ کیا جاتا۔ حالانکہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں جب مہاجرین و انصار کا اجتماع ہوا تو مہاجرین و انصار نے مختلف دلائل پیش کئے مگر سارے صحابہؓ میں سے کسی نے یہ نص (عقیدہ امامت) پیش نہ کی پھر سیدنا عمر فاروقؓ اور اس کے بعد سیدنا عثمان غنیؓ کی خلافت اور شوریٰ کے واقعات پیش آئے مگر کبھی کوئی ایسی نص کسی صحابی نے بشمول حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیش نہ کی۔ حتیٰ کہ خود سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں کیا کچھ اختلافات رونما نہ ہوئے مگر اس موقع پر بھی کسی صحابیؓ نے (بشمول اہل بیت) عقیدہ امامت کی نص ظاہر نہ کی۔ کیا یہ سب کچھ اس بات کی کھلی دلیل نہیں کہ در حقیقت ایسی نص کا کوئی وجود ہی نہ تھا، اور شیعہ کا دعویٰ محض دعویٰ بلا دلیل ہے جسکا صحابہؓ اور اہل بیت میں سے نہ کوئی قائل تھا اور نہ اسکا ناقل[1]

۳۔ شیعہ کا دعویٰ ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے بعد اور خطبہ[2] غدیر خم سے پہلے نازل ہوئی اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ہی آپ ﷺ نے ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ کو غدیر خم پر امامت علیؓ کا اعلان کیا۔ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کا

---

[1] دیکھیں منہاج السنہ لابن تیمیہ ص ۱۴ ج ۴ تفسیر قرطبی ص ۲۴۲-۲۶ تفسیر روح المعانی ص ۲۹۸ ج ۶ وغیرہ

[2] غدیر عربی زبان میں تالاب کو کہا جاتا ہے، جبکہ "خم" مکہ اور مدینہ کے درمیان جحفہ جگہ کے قریب واقع ہے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر مکہ مکرمہ سے واپسی میں ۱۸ ذی الحجہ کو آپ ﷺ نے اس تالاب پر بھی پڑاؤ ڈالا اور ایک خطبہ دیا (جبکہ حجۃ الوداع میں مختلف مقامات پر آپ لوگوں سے خطاب فرمارہے تھے) اس خطبہ کی تفصیلات انشاء اللہ آگے عرض کردی جائیں گی۔

خطبہ حجۃ الوداع پڑھا ہے جو آپ نے میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کو ہزارہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے دیا وہ جانتے ہیں کہ اس تاریخی خطبہ حجۃ الوداع میں جب آپ ﷺ نے دین اسلام کے بنیادی امور حاضرین کے سامنے ارشاد فرمائے تو آپ ﷺ نے آخر میں صحابہ کرامؓ سے فرمایا تھا۔

وقد ترکت فیکم مالم تضلو ابعدہ ان اعصمتم بہ کتاب اللہ و انتم تسئلون عنی فما انتم قائلون قالو انشہد انک قد بلغت و ادیت و نصحت فقال باصبعہ السبابۃ یرفعہا الی السماء و ینکتہا الی الناس و یقول اللہم اشہد اللہم اشہد اللہم اشہد ثلاث مرات —

اور تحقیق تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے تھام لو تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے اور وہ کتاب اللہ ہے اور دیکھو تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ سامعین نے عرض کیا ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے پوری تبلیغ کی 'حق ادا کیا اور ہماری پوری خیر خواہی کی اس پر حضور ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا' آپ اسے آسمان کی طرف اٹھا کر لوگوں کی طرف جھکائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے اے اللہ گواہ رہئے 'اے اللہ گواہ رہئے 'اے اللہ گواہ رہئے [1]

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ ۹ ذی الحجہ کو آپ اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر صحابہ کرامؓ سے اقرار کروا رہے ہوں کہ میں نے دین کے سارے عقائد اور ساری ضروری باتیں تم تک پہنچا دی ہیں اور ۱۸ ذی الحجہ کو آپ خم کے مقام پر وہ عقیدہ ظاہر کریں جو بقول شیعہ آپ ؐ نے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ کیا یہ بات کسی انصاف پسند قاری کی سمجھ میں آنے والی ہے؟

۴۔ اس آیت کریمہ یٰاَیُّہَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ الخ کے شان نزول کے بارے میں جتنی مستند روایات آ رہی ہیں وہ سب شیعہ مصنفین کے اس دعوی کی نفی کرتی ہیں کہ

---

[1] ان الفاظ کے لئے دیکھیں مسلم شریف ص ۳۹۷ ج ۱ عربی۔

یہ آیت حجۃ الوداع کے موقعہ پر نازل ہوئی تھی۔ علامہ ابن جریر طبریؒ، امام ثعالبیؒ، امام فخر الدین رازیؒ، علامہ قرطبیؒ، علامہ آلوسیؒ، اور دیگر جمہور مفسرین نے، حضرت عبداللہ بن شقیقؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جو روایات ذکر کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع سے کافی قبل نازل ہو چکی تھی۔ بعض روایات سے اس آیت کا مکی ہونا بھی سمجھ میں آتا ہے۔ مگر زیادہ مفسرین اس آیت کو مدنی آیت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں:

"اس بات کی دلیل کہ یہ آیت مدنی ہے وہ روایت ہے جو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے نقل کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ مدینہ منورہ آنے کے بعد ایک رات رسول اللہ ﷺ جاگ رہے تھے کہ آپ ؐ نے فرمایا کاش میرے صحابہ میں سے کوئی میری پہریداری کر لیتا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم اس طرح تھے کہ ہم نے ہتھیاروں کی جھنجھناہٹ سنی۔ آپ ؐ نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں سعد بن ابی وقاص ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیسے آنا ہوا۔ انہوں نے عرض کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خوف محسوس ہوا تھا اس لئے حفاظت کرنے آیا ہوں۔ آپؐ نے انہیں دعا دی اور آپ ؐ سو گئے۔ صحیح مسلم کے علاوہ دوسری روایات میں ہے کہ اسی درمیان ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی آپ ؐ نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا کہ ہم سعد اور حذیفہ ہیں آپ کی حفاظت کرنے آئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سو گئے یہاں تک کہ ہم نے آپ کے سونے کی آواز سنی اور یہ آیت (یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ) نازل ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے چمڑے کے خیمہ سے سر نکالا اور فرمایا۔ اے لوگو واپس چلے جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے میری حفاظت کر لی ہے [۱]

علامہ فخر الدین رازیؒ نے بھی اس آیت کے شان نزول میں دس وجوہات تحریر کی ہیں اور دسویں وجہ یہ بھی تحریر کی ہے کہ بعض روایات کے مطابق یہ آیت حضرت علیؓ کی فضیلت (نہ کہ امامت) کے سلسلہ میں نازل ہوئی تھی۔ امام رازی ان دس وجوہات کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"یہ مختلف روایات اگرچہ کثیر تعداد میں ہیں۔ مگر اس آیت میں زیادہ بہتر

---

[۱] تفسیر قرطبی ص ۲۴۴ ج ۶

ہے کہ اسے یہود و نصاریٰ کے مکر و فریب سے حفاظت پر محمول کیا جائے اور یہ کہ اس آیت میں انکی پرواہ کئے بغیر تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ اسکی وجہ یہ کہ اس آیت سے قبل کی آیات میں کافی پہلے سے، نیز اس آیت کے بعد بھی کافی بعد تک کی آیات میں یہود و نصاریٰ سے گفتگو چل رہی ہے اس لئے اس آیت میں ایسی وجوہات کا قائل ہونا جس سے یہ آیت سیاق و سباق سے بالکل کٹ جائے ممتنع معلوم ہوتا ہے [1]

علامہ آلوسی ؒ اس آیت کے ضمن میں غدیر خم کے خطبہ اور شیعہ روایات پر طویل بحث کر کے آخر میں لکھتے ہیں:

"اہل سنت سے جتنی روایات مروی ہیں کہ یہ آیت سیدنا حضرت علیؓ کی فضیلت میں نازل ہوئی۔ اگر انکو درست اور قابل استدلال بھی مان لیا جائے تب بھی ان سے سیدنا حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے یا یہ کہ سیدنا حضرت علیؓ ان روایات کے مطابق مومنین کے محبوب ہیں اور ہم ہرگز اسکا انکار نہیں کرتے بلکہ جو شخص اسکا (یعنی سیدنا حضرت علیؓ کی فضیلت اور انکی محبوبیت کا) انکار کرے وہ ہمارے نزدیک ملعون ہے۔[2]

۶۔ اس آیت کے آخر کا حصہ " واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لایھدی القوم الکافرین — اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا، بے شک اللہ قوم کفار کو ہدایت نہیں کرتا" ـــ خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس آیت میں صحابہ کرامؓ کے مقابلہ میں عقیدہ امامت کی تبلیغ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ بقول شیعہ عقیدہ امامت کی تبلیغ میں حضور ﷺ کو جن لوگوں کی مخالفت کا ڈر تھا وہ صحابہؓ تھے۔ اور اس آیت میں صحابہؓ کا ذکر نہیں ہے بلکہ کافروں کا ذکر ہے اس لئے اس آیت سے صحابہ کرامؓ کیسے مراد لئے جا سکتے ہیں، الا یہ کہ کوئی گستاخ دریدہ دھن شخص نعوذ باللہ من ذالک ان صحابہ کرامؓ ہی کو کافر قرار دے بیٹھے (جیسا کہ شیعوں سے نقل کیا جاتا ہے) جن کے بارے میں قرآن نے فرمایا رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اپنے اللہ سے راضی۔

خلاصہ یہ کہ اس آیت کریمہ کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالی جائے، یعنی الفاظ اور ترجمہ دیکھے جائیں، سیاق و سباق کا جائزہ لیا جائے یا شان نزول کی روایات سامنے رکھی جائیں کسی بھی طرح اس آیت سے "عقیدہ امامت سیدنا علیؓ بلافصل"

---

[1] امام رازیؒ تفسیر کبیر ص ۵۰ ج ۱۲

[2] علامہ آلوسیؒ تفسیر روح المعانی ص ۱۹۷ ج ۶

ثابت نہیں ہوتا۔ اور قرآن کریم کی مذکورہ آیات سے اس عقیدہ کو ثابت کرنا قرآن مجید کی تحریف معنوی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ایک شبہ اور اہل بیت کے اقوال سے اسکا جواب

ہو سکتا ہے کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ شاید حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ میں امامت علیؓ کا اعلان نہ کیا ہو مگر اپنے مخصوص صحابہؓ اور اہل بیت کو امامت علیؓ یا وصایت علیؓ کے بارے میں ہدایت کر دی ہو۔ (چنانچہ شیعہ مصنفین بھی یہ بات اپنی کتابوں میں لکھ دیتے ہیں) تو سمجھ لینا چاہئے اس شبہ کا جواب خود سیدنا حضرت علیؓ اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی زندگی میں پوری وضاحت سے دیدیا تھا کیونکہ عبداللہ بن سبا اور اس کے گروہ نے اس زمانہ میں بھی یہ افواہ مسلمانوں میں پھیلائی تھی کہ سیدنا حضرت علیؓ وصی رسول اللہ ہیں اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو بعض ایسے امور کی وصیت کی ہے جو دوسروں کے علم میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل بیت نبوی پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے کہ انہوں نے فوراً ہی اس افواہ کا پردہ چاک کر دیا اور ببانگ دہل اعلان کر دیا کہ یہ سب بے سروپا افواہ ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس سلسلہ میں ہم یہاں صرف تین روایتیں درج کرتے ہیں۔

۱ – عن ابی جحیفة رضی اللہ عنہ قال سالت علیا رضی اللہ عنہ هل عندکم شئی لیس فی القرآن فقال و الذی فلق الحبة وبرا النسمة ماعندنا الامافی القرآن الافهما یعطی رجل فی کتابه ومافی الصحیفة قلت ومافی الصحیفة قال العقل وفکاک الاسیر وان لایقتل مسلم بکافر –

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی ایسی چیز بھی ہے جو قرآن میں موجود نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس ذات باری کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور جان کو پیدا کیا ہمارے پاس اس کے سوا کچھ نہیں جو قرآن میں لکھا ہوا ہے، ہاں خدا داد فہم جو کسی آدمی کو کتاب اللہ میں نصیب ہو جائے اور وہ جو کچھ صحیفہ میں لکھا ہوا ہے، میں نے عرض کیا کہ صحیفہ میں کیا ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، دیت

کے احکامات وغیرہ [1]

۲ - عن ابی الطفیل رضی اللہ عنہ قال سئل علی ھل خصکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشئی فقال ما خصنا بشئی لم یعم بہ الناس الا مافی قراب سیفی ھذا فاخرج صحیفۃ فیھا لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ ولعن اللہ من سرق منار الارض - وفی روایۃ من غیر منار الارض، ولعن اللہ من لعن والدہ، ولعن اللہ من آوی محدثا -

حضرت ابو طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کوئی مخصوص چیز دی ہے؟ - حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا - آپ ؐ نے ہمیں ایسی کوئی مخصوص چیز نہیں دی جو عام لوگوں کو نہ دی ہو - سوائے اس کے جو میرے تلوار کی میان میں موجود ہے - پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تلوار کے تھیلے سے صحیفہ [2] نکالا جس میں لکھا ہوا تھا اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے اور اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جو زمین کی

---

[1] دیکھیں بخاری شریف' بحوالہ مشکوہ شریف (مرقات المفاتیح ص ۵۶ تا ۵۷ ج ۷)

[2] اس صحیفہ (صحیفہ علیؓ) کے بارے میں بھی شیعوں نے عجیب بے سروپا باتیں مشہور کر رکھی ہیں - (مثلاً یہ کہ اس میں قرآن اپنی اصل ترتیب نزولی کے ساتھ لکھا ہوا تھا) حالانکہ حضرت علیؓ کا یہ صحیفہ احادیث نبوی ؐ کا مجموعہ تھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص کا "الصحیفہ الصادقہ" حضرت جابر بن عبداللہؓ کا "صحیفہ جابر" اور حضرت ابو ہریرہؓ کا "الصحیفہ الصحیحہ" احادیث نبوی کے مجموعے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس مذکورہ صحیفہ میں دیت' خوں بہا' فدیہ' قصاص' ذمیوں کے حقوق' ولاء اور معاہدات سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات درج تھے' اور بعض محققین کی رائے کے مطابق حضرت علیؓ نے اپنے اس صحیفہ میں دستور مدینہ اور خطبہ حجۃ الوداع بھی محفوظ کیا ہوا تھا -

صحیفہ علیؓ کا صحیح بخاری میں چھ جگہ ذکر آیا ہے اور ہر جگہ اسکی وضاحت ہے کہ یہ احادیث نبوی کا مجموعہ تھا' مثلاً کتاب الجہاد ص ۴۵۱ ج ۱ کی روایت کے الفاظ ہیں : ما عندنا شئی الا کتاب اللہ و ھذہ الصیفحۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم - یعنی ہمارے پاس کچھ نہیں سوائے کتاب اللہ (قرآن) کے اور اس صحیفہ کے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے - مزید تفصیل کے لئے دیکھیں' کتابت حدیث عہد رسالت و عہد صحابہؓ میں از مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ طبع کراچی ص ۷۷ تا ۷۹ اور مقدمہ صحیفہ ھمام بن منبہ از جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مدظلہ ص ۴۰ طبع حیدر آباد دکن -

علامات چرائے 'اور ایک روایت کے مطابق۔اس شخص پر جو زمین کی علامات تبدیل کر دے 'اور اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جو اپنے والد پر لعنت کرے ' اور اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جو کسی مجرم کو پناہ دے۔[۱]

۳ - عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد امامورا ما اختصنا دون الناس بشئی الا بثلاث امرنا ان نسبغ الوضوء و ان لا ناکل الصدقۃ و ان لا ننزی حمارا علی فرس۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے بندے تھے جنہیں حکم دیا گیا تھا (کہ وہ دین کی سب باتیں لوگوں تک پہنچائیں) عام لوگوں کے علاوہ حضور ﷺ نے ہمیں (یعنی اہل بیت کو) کسی چیز کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔سوائے تین باتوں کے (۱) ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم وضو خوب اچھی طرح کیا کریں (۲) ہم صدقہ کا مال نہ کھائیں (۳) اور یہ کہ ہم گدھے کو (جفتی کے لئے) گھوڑی پر نہ چڑھائیں۔[۲]

---

[۱] مسلم شریف بحوالہ مرقات شرح مشکوۃ ص ۱۱۲ ج ۸
[۲] ترمذی و نسائی بحوالہ مرقات شرح مشکوۃ ص ۳۲۳ ج ۷

حدیث غدیر

رہ گئی حدیث غدیر جسکا آپ نے اپنے مکتوب میں ذکر کیا ہے ۔ "من کنت مولاہ فعلی مولاہ "تو شیعہ مولفین اس حدیث کو اپنی اہم ترین دلیل سمجھتے ہیں اور اپنے عقیدہ امامت کے سلسلہ میں پیش کردہ تمام آیات قرآنی کو اسی حدیث کے گرد گھماکر اپنا مقصد ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کے بارے میں کچھ ٹھوس اور مستند معلومات پیش کردی جائیں ' اللہ تعالیٰ صدق و اخلاص کے ساتھ حق بات بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائیں ۔ آمین ۔

حدیث غدیر کی استنادی حیثیت

یہ حدیث اگرچہ نہ متواتر ہے اور نہ متفق علیہ بلکہ اسکی تصحیح میں بعض جلیل القدر محدثین نے کلام بھی کیا ہے اور اہم دلائل کے ساتھ اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے [1] مگر راجح قول کے مطابق حدیث صحیح ہے اور متعدد طرق سے مروی ہے جن میں سے بعض اسانید اصطلاحاً "صحیح" اور بعض "حسن" کے درجہ کی ہیں اور متعدد طریق سے مروی ہونے کی بناء پر یہ حدیث "مشہور" کے زمرہ میں داخل ہوتی ہے ۔

اس حدیث کی استنادی صحت پر علامہ ابن حجر عسقلانی رہ ' اور علامہ ابن حجر ہیثمی رہ کی شہادت کافی ہے ۔ علامہ ابن حجر عسقلانی اپنی مایہ ناز تصنیف "فتح الباری" میں لکھتے ہیں ۔

" و اما حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ فقد اخرجہ الترمذی و النسائی و ھو کثیر الطرق جدا ، و قد استوعبھا ابن عقدہ فی کتاب مفرد ، و کثیر من اسانیدھا

[1] مثلاً علامہ ابن تیمیہ رہ ' ابوداؤد السجستانی رہ ' ابوحاتم الرازی رہ ' وغیرہ ۔ دیکھیں منہاج السنہ لابن تیمیہ رہ ص ۸۶ ج ۴ اور الصواعق المحرقہ لابن حجر ہیثمی رہ ص ۴۲ '

صحاح وحسان "[1]

رہی "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کی حدیث تو ترمذی اور نسائی نے یہ حدیث بیان کی ہے اور بہت سارے طرق سے مروی ہے' ابن عقدہ نے ایک مستقل تصنیف میں وہ سب طرق تحریر کئے ہیں۔ اس حدیث کی بہت سی اسانید "صحیح" اور "حسن" کے درجہ کی ہیں۔

اور علامہ ابن حجر ہیثمی مکی رہ فرماتے ہیں:

" و بیانہ انہ حدیث صحیح لا مریۃ فیہ و قد اخرجہ جماعۃ کالترمذی و النسائی و احمد و طرقہ کثیرۃ جدا و من ثم رواہ ستۃ عشر صحابیا ، وفی روایۃ لاحمد انہ سمعہ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاثون صحابیا ۔ و شہدوا بہ لعلی لما نوزع ایام خلافۃ کما مر و سیاتی ۔ و کثیر من اسانیدھا صحاح و حسان ولا التفات لمن قدح فی صحتہ ولا لمن ردہ بان علیا کان بالیمن لثبوت رجوعہ منہا و ادراکہ الحج مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قول بعضہم ان زیادۃ اللہم وال من والاہ الخ موضوعۃ مردود فقد ورد ذلک من طرق صحح الذھبی کثیر امنہا

یہ حدیث بلاشبہ صحیح حدیث ہے محدثین کی ایک جماعت مثلاً ترمذی رہ' نسائی رہ' اور احمد رہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ اس حدیث کی بہت ساری اسانید ہیں' سولہ صحابہؓ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق اس حدیث کو نبی کریم ﷺ سے تیس صحابہؓ نے سنا اور جب حضرت علیؓ کے دور خلافت میں ان کی مخالفت کی گئی تو ان صحابہ نے اس حدیث کے ذریعہ گواہی دی۔ اس کی بہت ساری اسانید صحیح اور حسن کے درجہ کی ہیں' اور اس شخص کی بات کوئی قابل توجہ نہیں جو اس

---

[1] فتح الباری بشرح صحیح البخاری ص ۷۴ ج ۷

حدیث کی صحت پر اعتراض کرے یا یہ کہے کہ اس وقت حضرت علیؓ یمن میں تھے کیونکہ حضرت علیؓ کا یمن سے واپس آنا اور حضور ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہونا ثابت ہے۔ جن لوگوں نے یہ کہا کہ "اللھم وال من والاہ" کا اضافہ موضوع ہے انکا یہ قول ناقابل قبول ہے کیونکہ یہ اضافہ کئی سندوں سے مروی ہے اور امام ذھبیؒ نے اکثر سندوں کو درست قرار دیا ہے[1]

خطبہ غدیر کا وقت ' موقع محل

تاریخ و سیرت کے طالب علم بخوبی جانتے ہیں کہ "حجۃ الوداع" رسول اللہ ﷺ کا آخری اور اہم ترین سفر تھا' فتح مکہ کے بعد قرآنی بشارت "اذا جاء نصر اللہ و الفتح و رایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا "[2] کے مطابق لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے' دین اسلام کی تکمیل ہو رہی تھی یہاں تک کہ اسی سفر میں میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کو یہ آیت بھی نازل ہوگئی۔ "الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا "[3] 'صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین جیسے جاں نثاروں کی ایک بڑی جماعت سفر میں آپ کے ہم رکاب تھی' اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس سفر میں جا بجا خطاب فرمایا' ان خطبوں میں حضور ﷺ نے دین کے بنیادی اصولوں کی بار بار تلقین فرمائی' امت کو آنے والی گمراہیوں سے بچانے کے لئے اہم اور قیمتی نصیحتیں ارشاد فرمائیں اور دور جاہلیت سے لیکر اب تک کے نزاعی معاملات کو ذکر کر کے ان میں قول فیصل ارشاد فرمایا تاکہ امت باہمی اختلافات سے محفوظ رہ کر صراط مستقیم پر گامزن رہے۔[4]

---

[1] الصواعق المحرقہ لابن حجر الھیثمی ص ۴۲ طبع ملتان

[2] جب اللہ کی مدد آجائے اور فتح ہوجائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ گروہ در گروہ دین میں داخل ہورہے ہیں۔ (سورۃ النصر۔ ۳۰)

[3] آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا' اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کرلیا۔ (سورۃ المائدہ)

[4] دیکھیں خطبہ حجۃ الوداع اور اس سفر کے دیگر خطبات کریمہ' سیرت ابن کثیر عربی' و خطبات محمدی حصہ پنجم' حجۃ الوداع للشیخ المحدث محمد زکریا الکاندھلویؒ

حجۃ الوداع کے موقعہ پر میدان عرفات میں آپ نے جو تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا اس میں بھی آپ ؐ نے دین اسلام کے بنیادی امور ذکر فرمائے ' آئندہ کے لئے نصائح ارشاد فرمائیں نیز ان قدیم جھگڑوں کا فیصلہ کیا جو آئندہ باعث نزاع بن سکتے تھے۔

حجۃ الوداع سے واپسی پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان حجفہ کے قریب ایک تالاب کے کنارے درختوں کے سائے میں آپ نے پڑاؤ ڈالا۔ یہ جگہ "وادی خم" اور "غدیر خم"[1] کے نام سے معروف تھی۔ نماز کا اعلان کیا گیا۔ آپ ؐ نے ابتدائے وقت میں ظہر کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد لوگوں کو خطبہ دیا۔ یہی خطبہ "حدیث غدیر" کے نام سے معروف ہوا۔ یہ اتوار کا دن تھا اور ذی الحجہ کی اٹھارہ تاریخ تھی۔ جبکہ مکہ مکرمہ سے آپ کی روانگی بروز بدھ چودہ ذی الحجہ ہوئی تھی۔[2]

خطبہ کا پس منظر

یہ خطبہ دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس خطبہ کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

اس کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حجۃ الوداع کے موقعہ پر ۴ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ ؐ نے حرم مکہ پہنچ کر اولا عمرہ کے ارکان ادا کئے اور پھر چار یوم تک مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔ انہی چار دنوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رمضان ۱۰ھ سے یمن تشریف لے گئے ہوئے تھے واپس مکہ مکرمہ پہنچے اور وہ خمس (مال غنیمت کا پانچواں حصہ) حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا جسے لانے کے لئے حضور ﷺ نے انہیں یمن روانہ کیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس سفر یمن میں ان کے بعض ساتھیوں کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چند شکایتیں پیدا ہوئیں 'یمن سے واپسی پر حضور اقدس ﷺ کے سامنے یہ

---

[1] قال الاصمعی لم یولد بغدیر خم احد فعاش الی ان یحتلم الا ان یتحول منها، و غدیرخم موضع بالجحفة، مرقاۃ شرح المشکوۃ ص ۲۱ ج ۶۔

[2] السیرۃ النبویہ لابن کثیر ص ۴۱۴ ج ۴' طبع احیاء التراث العربی۔ نیز اصح السیر و دیگر کتب سیرت و حجۃ الوداع للشیخ محمد زکریا الکاند ی،ص ۱۹۳

شکایات پیش کی گئیں ۔یہ شکایات کیا تھیں؟ اس کے بارے میں مختلف روایات آئی ہیں اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ساتھیوں کو سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف شکایات پیدا ہوئیں ۔البدایہ والنہایہ میں حافظ ابن کثیرؒ نے باب بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بن ابی طالب و خالد بن الولید الی الیمن قبل حجۃ الوداع میں وہ روایات جمع کی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے ۔

۱۔ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے کچھ کدورت تھی اسی دوران ہمارا یمن جانا ہوا۔وہاں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خمس لینے کے لئے تشریف لائے ۔انہوں نے خمس کی ایک باندی اپنے واسطے لے لی ۔یہ بات یمن کے حاکم (حضرت خالد بن الولیدؓ) کو ناگوار گذری انہوں نے اس کی شکایت لکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روانہ کی یہ خط لانے والا میں تھا' میں یہ خط لیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔میں خط سناتا جارہا تھا اور خط کے مضمون کی تائید بھی کرتا جارہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خط اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا"کیا تم علیؓ سے کدورت رکھتے ہو؟" میں نے عرض کیا"ہاں" آپ ؐ نے فرمایا" ان سے کدورت نہ رکھو' ہاں محبت رکھتے ہو تو اسے زیادہ کرو' کیونکہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے خمس میں علیؓ کے گھر والوں کا حصہ ایک باندی سے کہیں زیادہ ہے" بریدہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد مجھے حضرت علیؓ سے زیادہ کوئی محبوب نہ تھا" [1]

۲۔ حضرت عمرؓ بن شاس اسلمی کا (جو اصحاب حدیبیہ سے تعلق رکھتے ہیں) بیان ہے کہ میں اس لشکر میں شامل تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے ہمراہ یمن بھیجا' حضرت علیؓ نے میرے ساتھ کچھ نامناسب برتاؤ کیا جسکا مجھے غصہ تھا جب میں مدینہ واپس پہنچا تو میں نے مختلف اشخاص سے اور شہر کی مختلف مجالس میں اپنے غصہ کا اظہار کیا ۔ایک دن میں مسجد پہنچا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے جب آپ ؐ نے مجھے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو آپ ؐ نے مجھے دیکھنا شروع کیا ۔یہاں تک کہ میں

---

[1] بحوالہ بخاری والبدایہ والنہایہ لابن کثیر ص ۱۰۴ ج ۵ ۔ و جامع ترمذی باب مناقب علی' و مسنداحمد بروایۃ عمران بن حصین ص ۴۳۷ ج ۴' ص ۳۴۷ ج ۵' ص ۳۵۰ ج ۵' ص ۳۵۱ ج ۵' ص ۳۵۶ ج ۵' ص ۳۵۸' بروایۃ بریدہ الاسلمی ۔

آپ کے پاس جا بیٹھا۔ آپ ؓ نے فرمایا۔ اے عمرو بخدا تم نے مجھے اذیت پہنچائی ہے۔ میں نے عرض کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون میں رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچانے سے اللہ اور اسلام کی پناہ چاہتا ہوں۔ آپ ؓ نے فرمایا جس نے علیؓ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی ۔[1]

۳۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو یمن بھیجا میں بھی آپ کے لشکر میں شامل تھا۔ جب صدقہ کے اونٹ ملے تو ہم نے حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ وہ ہمیں صدقہ کے اونٹوں پر سوار ہونے کی اجازت دیدیں۔ کیونکہ ہمارے اونٹ بہتر حالت میں نہیں ہیں۔ مگر حضرت علیؓ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا ان اونٹوں میں تمہارا حصہ عام مسلمانوں کے حصہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ جب یمن کی مہم سے واپسی ہوئی تو حضرت علیؓ نے ہم پر اپنا ایک نائب مقرر کیا اور خود حضور ﷺ کی رفاقت حاصل کرنے کے لئے تیزی کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے اور آپ ؓ کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کی۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ وہ واپس اپنے ساتھیوں سے جا ملیں چنانچہ وہ دوبارہ ہم لشکر والوں کے ساتھ آ ملے۔ ادھر حضرت علیؓ کے جانے کے بعد ہم نے انکے نائب سے وہی درخواست کی جو ہم حضرت علیؓ سے کر چکے تھے۔ اس نے وہ درخواست قبول کر کے صدقہ کے اونٹ سواری کے لئے ہمارے حوالے کر دیئے۔ حضرت علیؓ جب واپس آئے اور دیکھا کہ صدقہ کے اونٹ نہ صرف سواری میں استعمال ہو رہے ہیں بلکہ سواری کی وجہ سے اونٹ متاثر بھی ہو چکے ہیں تو حضرت علیؓ نے اپنے نائب کو ڈانٹا۔ حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ میں نے قسم کھالی کہ مدینہ (یعنی شہر) پہنچ کر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا واقعہ گوش گزار کروں گا اور حضرت علی نے ہم پر جو سختی اور تنگی کی ہے اسکی شکایت کروں گا۔ شہر پہنچ کر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ اپنی قسم پوری کروں۔ اولا میری حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کی خدمت سے واپس آرہے تھے۔ انہوں نے میرا حال احوال پوچھا' میرے ہمراہ واپس پلٹے اور حضور سے میرے لئے اجازت طلب کی آپ ؓ نے اندر آنے کی

---

[1] بحوالہ محمد بن اسحاق و بیہقی۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۰۵ ج ۵

اجازت دیدی۔میں اندر حاضر ہوا حضور ﷺ کو سلام کیا۔آپ ؐ نے مجھے جواب دیا دعائیں دیں اور میری طرف متوجہ ہوکر میرا اور گھر والوں کا حال پوچھتے رہے اور کافی سوالات کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے حضرت علیؓ کی شکایات پیش کیں کہ وہ ہمارے ساتھ سفر میں کس طرح تنگی اور سختی سے پیش آتے رہے۔آپ ؐ خاموش سنتے رہے 'میں قریب بیٹھا حضرت علیؓ کی شکایتیں کرتا رہا یہاں تک کہ عین دوران کلام آپ ؐ نے اپنا دست مبارک میری ران پر مارا اور فرمایا۔اے سعد بن مالک اپنے بھائی علیؓ کی شکایتیں چھوڑو' خدا کی قسم میں جانتا ہوں انہوں نے فی سبیل اللہ بہترین کام کیا ہے۔سعد بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں خود کو کہا میری ماں مجھے روئے 'اب خدا کی قسم میں کبھی علیؓ کا ذکر برائی سے نہ کروں گا نہ جہراً نہ سراً [1]

۴۔یزید بن طلحہ کی روایت ہے کہ حضرت علیؓ کے لشکر میں جو لوگ ان کے ساتھ یمن سے واپس آرہے تھے ان کے غصہ اور ناراضگی کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت علیؓ لشکر پر اپنا نائب مقرر کر کے خود جلدی جلدی حضور ﷺ کے پاس چلے گئے۔اس نائب نے سارے لشکریوں میں ایک ایک جوڑا تقسیم کر دیا۔جب حضرت علیؓ لشکر کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ سب نے جوڑے زیب تن کئے ہوئے ہیں۔حضرت علیؓ نے فرمایا حضور ﷺ تک پہنچانے سے پہلے یہ حرکت کیوں کی گئی؟۔چنانچہ حضرت علیؓ نے سب کے جوڑے اتروا دیئے۔جب لشکر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو لشکریوں نے آپ ؐ سے حضرت علیؓ کی شکایت کی۔[2]

۵۔ترمذی میں حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا جس پر حضرت علی بن ابی طالبؓ کو امیر مقرر کیا گیا' وہ مہم پر تشریف لے گئے وہاں انہیں جاریہ کا قصہ پیش آیا۔جس پر لوگوں نے نکیر کی' اور چار صحابہؓ نے آپس میں یہ طے کیا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچیں گے تو آپ ؐ کو حضرت علیؓ کے بارے میں بتائیں گے۔مسلمان جب سفر سے واپس پلٹتے تو سب سے پہلے حضور ﷺ کو جا کر سلام کرتے پھر اپنی رہائش گاہوں کی طرف واپس جاتے۔

---

[1] اسناد جید علی شرط النسائی بحوالہ بیہقی۔البدایہ والنہایہ ص ۱۰۵ ج ۵
[2] البدایہ والنہایہ ص ۱۰۶ ج ۵

چنانچہ جب یہ قافلہ واپس آیا اور یہ سب حضرات رسول اللہ ﷺ کے پاس سلام کے لئے حاضر ہوگئے تو ان چار میں سے ایک صاحب اٹھے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے یہ یہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان کی بات سنکر اعراض کیا' پھر دوسرے کھڑے ہوئے انہوں نے اسی طرح شکایت کی' آپ نے ان سے بھی منہ موڑلیا' پھر تیسرے صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اسی طرح کی شکایات کی' آپؐ نے انکی طرف بھی کوئی توجہ نہ دی' پھر چوتھے صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اسی طرح کی بات کی جس طرح وہ پہلے لوگ کر چکے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ ان سب کی طرف متوجہ ہوئے اور غصہ آپؐ کے چہرہ مبارک سے عیاں تھا۔ آپؐ نے فرمایا تم علی سے کیا چاہتے ہو؟ تم علی سے کیا چاہتے ہو؟ تم علی سے کیا چاہتے ہو؟ بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے محبوب ہیں[1]

نوٹ: کتاب المغازی میں واقدی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یمن سے واپسی پر سیدنا حضرت علیؓ پورے لشکر کے ساتھ رہے۔ البتہ جب لشکر "فتق" مقام پر پہنچا (جو طائف کے قریب ایک بستی ہے) تو حضرت علیؓ نے جناب ابورافع کو اپنا نائب بنایا اور خود حضور ﷺ کی خدمت میں مکہ مکرمہ پہنچنے کی جلدی کی۔ حضور ﷺ سے ملاقات اور گفتگو کے بعد حضرت علیؓ واپس لشکر کے ساتھ آکر ملے اس وقت لشکر سدرہ مقام سے مکہ مکرمہ میں داخل ہورہا تھا۔ وہیں صدقہ کے اونٹوں پر سوار ہونے اور کپڑوں کے جوڑے پہننے پر حضرت علیؓ نے اپنی سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور لشکریوں کے جسم سے وہ جوڑے زبردستی اتروائے جس پر لشکر والوں کو آپ سے شکایتیں پیدا ہوئیں جن کا اظہار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا گیا۔[2]

کتاب المغازی کی روایت سے سابقہ روایات میں یہ توجیہ متعین ہوجاتی ہے کہ ان عربی روایات میں جہاں "المدینہ" کا لفظ آیا ہے اس سے مدینہ منورہ مراد نہیں بلکہ شہر مکہ مراد ہے کیونکہ عربی میں مطلقاً شہر کو "مدینہ" کہا جاتا ہے۔

ان سب روایات کے مجموعے سے جو ہم نے البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے

---

[1] ترمذی بحوالہ جامع الاصول ص ۶۵۲ ج ۸

[2] کتاب المغازی للواقدی ص ۱۰۸۰ ج ۳ طبع موسسہ الاعلمی - بیروت

نقل کیں اور جو حدیث 'سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مختلف اسانید اور مختلف الفاظ سے آئی ہیں' اتنی بات واضح ہے کہ مختلف حضرات کے دل میں خصوصاً ان حضرات کے دل میں جو حضرت علیؓ کے ساتھ سفر یمن میں شریک تھے' حضرت علیؓ کی طرف سے کچھ بدگمانی یا کدورت پیدا ہوگئی تھی ۔ حضور اقدس رحمت عالم ﷺ جو حجۃ الوداع کے اس عظیم اور اہم ترین سفر میں قدم قدم پر امت کو گمراہی اور افتراق سے بچانے کے لئے نصائح اور خطبات ارشاد فرمارہے تھے یہ کیسے گوارا کر سکتے تھے کہ سیدنا حضرت علیؓ کی طرف سے اجتماعی طور پر لوگوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہوجائے ۔ جبکہ حضرت علیؓ کا شمار کبار صحابہؓ اور السابقون الاولون میں ہے اور جبکہ انہوں نے آگے چل کر اپنے وقت میں اس امت کی قیادت و امامت کے فرائض بھی انجام دینے تھے ۔ اس لئے حضور ﷺ نے غدیر خم پر سیدنا حضرت علیؓ کی نہ صرف برات ظاہر فرمائی بلکہ امت کو حکم دیا کہ وہ حضرت علیؓ کے ساتھ محبت و عقیدت کا معاملہ رکھے [1]

تفسیر' حدیث اور تاریخ کے مشہور عالم حافظ ابن کثیرؒ نے یہی بات اس طرح ارشاد فرمائی ہے :

و المقصود ان علیا لما کثر فیه القیل و القال من ذلک الجیش بسبب منعه ایاهم استعمال ابل الصدقة و استرجاعه منهم الحلل التی اطلقها لهم نائبه ، و علی معذور فیما فعل لکن اشتهر الکلام فیه فی الحجیج فلذلک و الله اعلم لما رجع رسول الله صلی الله علیه وسلم من حجته و تفرغ من مناسکه و رجع الی المدینة فمر بغدیر خم قام فی الناس خطیبا فبرا ساحة علی و رفع من قدره و نبه علی فضله لیزیل ما وقر فی نفوس کثیر من الناس --

مقصد یہ ہے کہ جب اہل لشکر کی طرف سے حضرت علی کی

---

[1] یہاں اہل سنت کے مشہور امام ابوحنیفہؒ کا وہ مشہور مقولہ دہرا دینا بیجانہ ہوگا ۔ ان تفضل الشیخین و تحب الختنین یعنی شیخین کی فضیلت کے اعتقاد کے ساتھ دونوں دامادوں (حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ) سے محبت رکھنا بھی ضروری ہے ۔

شان میں قیل و قال بہت ہوگئی کیونکہ انہوں نے اہل لشکر کو صدقہ کے اونٹ استعمال کرنے سے منع کر دیا تھا اور ان کے وہ جوڑے واپس لے لئے تھے جو حضرت علیؓ کے نائب نے انہیں پہنائے تھے۔ گو حضرت علیؓ نے جو کچھ کیا اس میں وہ شرعاً معذور تھے لیکن بہرحال حجۃ الوداع میں حضرت علیؓ کے خلاف گفتگو کی شہرت ہوئی تھی۔ تو اسی لئے (واللہ اعلم) رسول اللہ ﷺ جب حج اور مناسک حج سے فارغ ہوگئے اور مدینہ واپس پلٹتے ہوئے غدیر خم پر گزرے آپ نے لوگوں سے خطاب فرمایا جس میں حضرت علیؓ کی براءت شان کی، آپ کے بلند مرتبہ کو ذکر فرمایا اور آپ کی فضیلت پر لوگوں کو متنبہ کیا تاکہ وہ بدگمانی دور کی جا سکے جو بہت سے لوگوں کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی [1]

اس پس منظر کے ساتھ اگر مستقبل کے بارے میں یہ بات بھی ذہن میں رکھی جائے کہ مسجد نبوی کی امامت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو دی جانے والی ہے نیز سیدنا ابوبکرؓ کی خلافت کے لئے تقریباً واضح ہدایات موجود ہیں اور مستقبل میں حضور اقدس ﷺ کے بعد منجانب اللہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، اور سیدنا عثمان غنیؓ کی خلافت علی الترتیب ظہور میں آنے والی ہے۔ نیز سیدنا حضرت علیؓ کے دور خلافت و امامت میں انہیں حضرت معاویہؓ اور دیگر ساتھیوں کی مخالفت کا سامنا کرنا ہے۔ تو رحمت عالم ﷺ کی طرف سے سیدنا حضرت علیؓ کی براءت شان اور ان کی محبت کا غدیر خم پر یہ اعلان انتہائی برموقع اور برمحل نظر آتا ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم وجزاہ اللہ تعالیٰ عن امتہ بما ھو اھلہ)

اس پوری تفصیل کے بعد بحمد اللہ، یہ سوال بالکل حل ہو جاتا ہے کہ حضور ﷺ کو غدیر خم پر حضرت علیؓ کے بارے میں یہ خطبہ دینے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۱۰٦ ج ۵

خطبہ غدیر خم اور کتب حدیث

صحیحین:

بخاری شریف میں یہ خطبہ منقول نہیں ہے [1]

صحیح مسلم باب فضائل علی میں اس خطبہ کے جو الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ صرف اتنے ہیں۔

اما بعد الا ایھا الناس فانما انا بشر یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب و انا تارک فیکم ثقلین اولھما کتاب اللہ، فیہ الھدی و النور فخذوا کتاب اللہ و استمسکوا بہ، فحث علی کتاب اللہ و رغب فیہ ثم قال و اھل بیتی، اذکرکم اللہ فی اھل بیتی، اذکرکم اللہ فی اھل بیتی، اذکرکم اللہ فی اھل بیتی

حمد و صلاۃ کے بعد۔ خبردار اے لوگو! میں تو ایک انسان ہوں، قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد (ملک الموت) آجائے اور میں قبول کرلوں (چلا جاؤں)، میں تم میں دو بھاری (عمدہ) چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں، پہلی ان میں سے کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ پھر آپ ؐ نے کتاب اللہ کی طرف لوگوں کو ترغیب دی اور توجہ دلائی۔

---

[1] البتہ بخاری کی ایک روایت سے اس خطبہ کے سبب کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ جو یہ ہے:
حضرت بریدہ اسلمیؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو خالدؓ بن الولید کی طرف بھیجا تاکہ خمس کا سامان لے آئیں، حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت علیؓ سے ناراضگی تھی اس دوران انہوں نے (باندی سے) غسل بھی کیا، تو میں نے خالد سے کہا اس آدمی (حضرت علیؓ) کو نہیں دیکھتے کہ یہ کیا کررہا ہے؟۔ پھر ہم نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو میں نے آپ ؐ سے حضرت علیؓ کی شکایت کی آپ نے فرمایا کیا تم علیؓ سے کدورت رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ ؐ نے فرمایا اس سے کدورت نہ رکھو کیونکہ اس کا خمس کے مال میں اس سے زیادہ حق تھا۔
بخاری شریف باب بعث علی بن ابی طالب و خالد بن الولید الی الیمن قبل حجۃ الوداع
(بخاری ص ۶۲۳ ج ۲ طبع نور محمد کراچی)

پھر فرمایا اور (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں' میں اپنے
اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا یاد دلاتا ہوں' میں اپنے
اہل بیت کے بارے تمہیں خدا یاد دلاتا ہوں' میں اپنے اہل
بیت کے بارے میں تمہیں خدا یاد دلاتا ہوں [1]

ترمذی :

جامع ترمذی میں باب مناقب علی کے اندر چند روایتیں نقل کی گئی ہیں مگر ان میں خطبہ غدیر کا کوئی ذکر نہیں ہے ایک حضرت عمران ؓ بن حصین کی روایت ہے ۔ جس میں یہ واقعہ نقل کیا گیا کہ سفر یمن سے واپسی پر ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم میں سے چار آدمیوں نے طے شدہ پروگرام کے مطابق یکے بعد دیگرے حضور اقدس ﷺ سے حضرت علی ؓ کی شکایتیں بیان کیں ۔ جب چاروں نے اپنی اپنی شکایتیں بیان کرلیں تو آپ ؐ نے فرمایا :

"ماتریدون من علی . ماتریدون من علی . ماتریدون من علی – ان علیا منی و انا منہ و ھو ولی کل مومن من بعدی " – قال الترمذی ھذا حدیث غریب لا نعرفہ الا من حدیث جعفر بن سلیمان –

تم علی سے کیا چاہتے ہو؟' تم علی سے کیا چاہتے ہو؟' تم علی سے کیا چاہتے ہو؟ ۔ بیشک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں' اور وہ میرے بعد ہر مومن کے والی (محبوب) ہیں ۔ ترمذی نے حدیث بیان کرکے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اس حدیث کو ہم صرف جعفر بن سلیمان کی روایت سے پہچانتے ہیں [2]

ترمذی کی دوسری روایت حضرت زید ؓ بن ارقم کے حوالہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ – – قال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب

یعنی جس کا میں (محبوب) ہوں علی بھی اسکے مولی (محبوب) ہیں ۔ ترمذی نے حدیث بیان کرکے فرمایا ۔ یہ حدیث "حسن غریب" ہے ۔ [3]

---

[1] صحیح مسلم مع مال المعلم ص ۲۲۶ ج ۶ ۔ صحیح مسلم مترجم طبع قرآن محل ص ۵۲۱ ج ۳
[2] جامع ترمذی طبع دار الفکر بیروت ص ۲۹۶ ج ۵
[3] ایضاً ص ۲۹۷ ج ۵

ترمذی کی تیسری روایت حضرت براء بن عازب کے حوالہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو لشکر روانہ فرمائے ایک پر حضرت علیؓ کو متعین کیا اور دوسرے پر حضرت خالدؓ بن الولید کو اور فرمایا جب لڑائی ہو تو علیؓ امیر ہوں گے۔ حضرت علیؓ نے قلعہ فتح کیا تو ایک باندی لے لی۔ حضرت خالد بن الولید نے میرے ذریعہ شکایت کا خط نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا' میں خط لیکر پہنچا اور خط پڑھنا شروع کیا تو نبی کریم ﷺ کا رنگ بدل گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔

ماتری فی رجل یحب اللہ و رسولہ ویحبہ اللہ و رسولہ

یعنی تمہاری اس آدمی کے بارے میں کیا رائے ہے جو اللہ اور اسکے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہو اور اللہ اور اسکے رسول ﷺ بھی اس سے محبت کرتے ہوں۔ حضرت براء نے عرض کیا میں اللہ تعالیٰ کے غضب اور اسکے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے [1]

ابن ماجہ :

ابن ماجہ میں غدیر خم کی حدیث حضرت براء بن عازب کے حوالہ سے نقل کی گئی وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حج سے واپس آرہے تھے۔ آپ راستہ میں ایک جگہ اترے آپ نے نماز کا حکم دیا۔ پھر حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا۔

" الست اولی بالمومنین من انفسھم قالوا بلٰی قال الست اولی بکل مومن من نفسہ قالو ابلی قال فھذا ولی من انامولاہ ، اللھم وال من والاہ اللھم عاد من عاداہ – (فی الزوائد اسنادہ ضعیف ،لضعف علی بن زید بن جدعان)

کیا میں مومنین کی جانوں سے بڑھکر ان کا محبوب نہیں ہوں ؟' حاضرین نے عرض کیا کیوں نہیں ! آپؐ نے فرمایا کیا میں ہر مومن کو اسکی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہوں ؟ حاضرین نے عرض کیا کیوں نہیں ! آپؐ نے فرمایا جس کا میں محبوب تو یہ (علی) اسکے محبوب ہیں۔ اے اللہ جو ان سے محبت کرے آپ اس سے محبت کریں اور اے اللہ جو ان سے نفرت کرے آپ اس سے نفرت کریں۔

---

[1] ایضاً ص ۳۰۲ ج ۵

نوٹ : زوائد میں ہے کہ اسکی اسناد ضعیف ہے کیونکہ اس روایت میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے[1]

نسائی :

سنن مجتبی نسائی میں تو مناقب کی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔ البتہ السنن الکبری للنسائی میں چند روایتیں ہیں ۔

دو روایتیں حضرت بریدہؓ سے ہیں جس میں وہی واقعہ مذکور ہے کہ حضرت بریدہؓ نے جب حضرت علیؓ کی شکایت کی تو آپ ؐ نے ایک روایت کے مطابق فرمایا :

من کنت ولیہ فعلی ولیہ -- یعنی جسکا میں دوست ہوں تو علی اسکے دوست ہیں ۔

اور دوسری روایت کے مطابق آپ ؐ نے فرمایا :

یا بریدہ الست اولی بالمومنین من انفسم ؟ قلت بلی یا رسول اللہ قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ

یعنی اے بریدہ کیا میں مومنین کو انکی جانوں سے بڑھ کر محبوب نہیں ہوں ؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں نہیں ! آپ ؐ نے فرمایا تو جسکا میں محبوب ہوں علی اسکے محبوب ہیں ۔

ایک روایت حضرت عمرانؓ بن حصین سے مروی ہے ۔ اس کے مطابق آپ ؐ نے فرمایا

ان علیا منی ، و انا منہ وھو ولی کل مومن من بعدی

بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں ' اور وہ میرے بعد ہر مومن کے محبوب ہیں ۔

مگر ان تینوں روایتوں میں اسکی کوئی تصریح نہیں کہ ان روایات کا " خطبہ غدیر " سے کوئی تعلق ہے ۔ بلکہ پہلی دونوں روایتیں تو یقینی طور پر خطبہ غدیر سے پہلے کی ہیں جبکہ حضرت بریدہؓ نے حضرت علیؓ کی شکایت کی تھی ۔ ہاں سنن کبری نسائی میں ایک روایت حضرت زید بن ارقمؓ کی ہے ۔ جس میں خطبہ غدیر کی تصریح ہے جو یہ

---

[1] سنن ابن ماجہ بتحقیق فواد عبدالباقی ص ۴۳ ج ۱ طبع احیاء التراث العربی

ہے :

حضرت زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے واپس ہوئے اور غدیر خم پر اترے تو آپ کے حکم کے مطابق کچھ بڑے درختوں کے نیچے صفائی کی گئی پھر آپ ؐ نے فرمایا :

"کانی قد دعیت فاجبت ، انی ترکت فیکم الثقلین ، احدھما اکبر من الاخر کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی ۔فانظر و اکیف تخلفونی فیھما ۔فانھمالن یتفرقا حتی یردا علی الحوض ۔ثم قال ان اللہمولای ۔ و انا ولی کل مومن ثم اخذ بیدعلی فقال من کنت ولیہفھذا ولیہ ، اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ ۔

ایسا لگتا ہے کہ پروردگار کی طرف سے بلاوا آگیا ہے اور میں جانے ہی والا ہوں میں نے تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑی ہیں ۔ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے ۔کتاب اللہ اور میرا کنبہ ' میرے اہل بیت 'اب دیکھ لو کہ تم میرے بعد ان دونوں میں کیسے رہتے ہو؟ کیونکہ یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس آجائیں ۔پھر آپ ؐ نے فرمایا' بے شک اللہ میرا مولی ہے اور میں ہر مومن کا محبوب ہوں ۔پھر آپ ؐ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا میں جسکا محبوب ہوں تو یہ اسکے محبوب ہیں ۔اے اللہ جو اس سے محبت کرے تو اس سے محبت کر 'اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی کر ۔

زید بن ارقم نے فرمایا 'ان درختوں کے نیچے کوئی آدمی ایسا نہیں تھا مگر اس نے اپنی آنکھوں سے یہ سب دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا"[1]

مسند امام احمد بن حنبل :

مسند احمد میں بھی اس سلسلہ میں کئی روایات ملتی ہیں ۔اکثر روایات میں تو وہی مضمون ہے جو سابقہ روایات میں آچکا ہے 'البتہ دو روایتوں میں کچھ اضافہ ہے وہ درج کی جاتی ہیں ۔

١۔ پہلی روایت حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہم

---

[1] السنن الکبری للنسائی ص ٤٥ ج ٥ طبع دارالکتب العلمیہ بیروت ۔
و بمثلہ عن ابی سعید الخدری مسند احمد بن حنبل ص ١٧ ج ٣ و ص ٢٦ الی قولہ علیہ السلام حتی یردا علی الحوض فقط و بدون بذکر غدیر خم

سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے کہ آپ ؐ نے غدیر خم پر پڑاؤ ڈالا' نماز کے لئے لوگوں کو جمع کیا گیا' دو درختوں کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے لئے صفائی کی گئی۔ آپ ؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا :

الستم تعلمون انی اولی بالمومنین من انفسہم قالوا بلی ، قال الستم تعلمون انی اولی بکل مومن من نفسہ قالوا بلی ، قال فاخذ بید علی فقال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللہم وال من والاہ وعاد من عاداہ ، قال فلقیہ عمر بعد ذلک فقال لہ ھنیئا یا ابن ابی طالب اصبحت و امسیت مولی کل مومن و مومنۃ

یعنی تم نہیں جانتے کہ میں مومنوں کو انکی جان سے زیادہ محبوب ہوں' صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں؟ آپ ؐ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ میں ہر مومن کو اسکی جان سے زیادہ محبوب ہوں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کیوں نہیں۔ پھر آپ ؐ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا جسکا میں محبوب ہوں تو علی اسکے محبوب ہیں۔ اے اللہ جو علی سے محبت کرے تو اس سے محبت کر' اور جو علی سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ۔ براءؓ بن عازب فرماتے ہیں کہ اسکے بعد حضرت عمرؓ کی حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر نے فرمایا اے علی مبارک ہو اب تم ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کے صبح و شام محبوب ہو[1]

۲۔ دوسری روایت حضرت ابوالطفیلؓ کی ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک دن لوگوں کو (کوفہ کی جامع مسجد کے) چبوترے پر جمع فرمایا اور پھر ان سے فرمایا : میں تمہیں قسم دیکر کہتا ہوں کہ تم میں سے جس جس شخص نے غدیر خم پر رسول اللہ ﷺ کا میرے بارے میں فرمان سنا ہے وہ کھڑا ہو جائے۔ تو لوگوں میں سے تیس (صحابہؓ) کھڑے ہوئے ابونعیم راوی کا بیان ہے کہ ان بہت سارے لوگوں نے اس بات کی گواہی دی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں سے فرمایا تھا :

اتعلمون انی اولی بالمومنین من انفسہم قالوا نعم یا رسول اللہ قال من کنت مولاہ فھذا مولاہ اللہم وال من والاہ وعاد من عاداہ ۔

یعنی کیا تم نہیں جانتے کہ میں مومنوں کو انکی جان سے زیادہ محبوب ہوں' لوگوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا میں جسکا محبوب ہوں علی اس کے محبوب

---

[1] مسند احمد ص ۲۸۱ ج ۴ المکتب الاسلامی بیروت

ہیں اے اللہ جو علی سے محبت رکھے آپ اس سے محبت رکھیں اور جو علی سے دشمنی رکھے آپ اس سے دشمنی رکھیں [۱]

ان دو روایتوں کے علاوہ مسند احمد کی مزید جتنی روایتیں ہیں مثلاً (۱) ص ۳۶۷ ج ۴ (۲) ص ۳۶۸ ج ۴ (۳) ص ۳۷۲ ج ۴ (۴) ص ۳۷۳ ج ۴ (۵) ص ۳۴۷ ج ۵ (۶) ص ۳۵۰ ج ۵ (۷) ص ۳۵۱ ج ۵ (۸) ص ۳۵۶ ج ۵ (۹) ص ۳۵۸ ج ۵۔ ان میں وہی مضمون ہے جو صحاح ستہ کی روایات میں گزر چکا ہے۔ کسی نئی بات کا اضافہ نہیں ہے۔

احادیث کی مشہور کتب میں حدیث غدیر اور اس کے خطبہ کی جو کچھ تفصیل صحیح اسانید سے منقول ہے وہ آپ کے سامنے آگئی ہے۔

خطبہ کا خلاصہ

ان تمام روایات کو سامنے رکھ کر ہر شخص باآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس خطبہ میں بنیادی طور پر دو چیزوں کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ ایک اہل بیتؓ کی فضیلت وعزت اور دوسرے سیدنا حضرت علیؓ کی محبت۔ خطبہ کی ابتداء میں اہل بیت کی فضیلت بیان کی گئی اور بعد میں سیدنا حضرت علیؓ سے محبت کرنے کا حکم دیا گیا۔ قبل اس کے کہ ہم خطبہ کے دوسرے حصہ (حدیث الموالات) کی طرف متوجہ ہوں جو اس وقت ہمارا اصل مقصود ہے اور جس سے شیعہ "عقیدہ امامت" اور حضرت علیؓ کی "خلافت بلافصل" ثابت کرتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے پہلے حصہ (حدیث ثقلین) کے بارے میں بھی کچھ تفصیل عرض کر دی جائے کیونکہ خطبہ کا یہ ابتدائی حصہ بھی اپنی جگہ اہم ہے اور اگر اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو خوارج اور شیعہ دونوں کی گمراہی واضح ہو جاتی ہے۔ اس لئے پہلے ہم خطبہ کے ابتدائی حصہ کی تشریح "حدیث ثقلین" کے عنوان سے بیان کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد انشاء اللہ خطبہ کے دوسرے حصہ "حدیث الموالات" کی تفسیر عرض کریں گے۔

[۱] مسند احمد ص ۳۷۰ ج ۴ المکتب الاسلامی بیروت

حدیث ثقلین

اس خطبہ کی ابتداء میں آپ ؐ نے فرمایا :

اما بعد الا ایھا الناس فانما انا بشر یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب و انا تارک فیکم ثقلین — اولھما کتاب اللہ فیہ الھدی و النور . فخذوا کتاب اللہ و استمسکوا بہ فحث علی کتاب اللہ و رغب فیہ ثم قال و اھل بیتی ، اذکرکم اللہ فی اھل بیتی اذکرکم اللہ فی اھل بیتی ، اذکرکم اللہ فی اھل بیتی

”خبردار اے لوگو میں تو ایک انسان ہوں' قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد (موت) میرے پاس آئے اور میں اسے قبول کر لوں' میں تم میں دو بھاری (عمدہ چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں' پہلی ان میں سے کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے ۔اس کے بعد آپ نے لوگوں کو کتاب اللہ کے تھامنے پر لوگوں کو ابھارا اور اسکی طرف ترغیب دی پھر فرمایا اور میرے اہل بیت ہیں' میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا یاد دلاتا ہوں' میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا یاد دلاتا ہوں' میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا یاد دلاتا ہوں“[۱]

انی قد ترکت فیکم الثقلین . احدھما اکبر من الاخر ، کتاب اللہ (حبل ممدود من السماء الی الارض) و عترتی اھل بیتی . فانظروا کیف تخلفونی فیھما . فانھما لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض —

---

[۱] مسلم شریف ... سابقہ

میں نے تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑی ہیں - ان میں سے
ایک دوسری سے بڑی ہے - کتاب اللہ اور میرا کنبہ میرے
اہل بیت ' اب دیکھ لو کہ تم میرے بعد ان دونوں میں کیسے
رہتے ہو؟ کیونکہ یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک
کہ حوض کوثر پر میرے پاس آجائیں [1]

"حدیث ثقلین" اور اسکا ترجمہ آپ کے سامنے ہے ' آپ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس خطبہ میں "ثقلین (دو بھاری یعنی عمدہ چیزوں) کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ میں دو چیزیں چھوڑکر جارہاہوں جن میں سے پہلی کتاب اللہ ہے ' اس کے بعد آپ ؐ نے کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے اور اس پر عمل کرنے کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کتاب اللہ کا درجہ سب سے بڑھ کر ہے - کتاب اللہ کے فضائل بیان کرنے کے بعد آپ ؐ نے اہل بیت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ میں اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا یاد دلاتا ہوں -

مسلم شریف کی روایت سے تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کے ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اہل بیت کے حقوق پہچانیں اور ان کے ساتھ محبت و اکرام کا معاملہ کریں اس لئے آپ ؐ نے ان کے بارے میں (مسلم شریف کی روایت کے مطابق) صرف یہ فرمایا کہ :"میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا یاد دلاتا ہوں" مگر نسائی اور مسند احمد کی روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت کا ذکر ثقلین میں سے دوسری بھاری چیز کے طور پر کیا گیا ہے تو پہلی چیز کتاب اللہ ہوئی اور دوسری اہل بیت -

یہاں قاری کے ذھن میں یہ شبہ پیدا ہوگا کہ کتاب اللہ کی بے شمار آیات اور احادیث طیبہ سے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ کا درجہ ہے - چنانچہ کہیں فرمایا گیا - اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول اور کہیں حکم ہے کہ آمنو اباللہ و رسولہ اور کہیں ارشاد ہے ومن یعص اللہ و رسولہ وغیرہ وغیرہ اور یہاں کتاب اللہ کے بعد اہل بیت کا ذکر کیا گیا ہے تو اسکا کیا حل ہے؟

---

[1] (بحوالہ نسائی ص ۴۵ ج ۵' اور مسند احمد ص ۱۷ ، ۲۶ ج ۳

تو اسکا جواب بالکل واضح ہے کہ کتاب اللہ کے بعد دوسری بھاری چیز بلاشبہ سنت رسول اللہ ہی ہے ۔اور اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ اہل اسلام کی اس میں دو رائے ہیں کہ کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ ہی کا درجہ ہے ۔اس لئے یہی کہنا ہو گا کہ یہاں حدیث ثقلین میں بھی اہل بیت کے ذکر سے سنت رسول اللہ ہی مراد ہے کیونکہ اہل بیتؓ سنت نبوی کے سچے عاشق اور اس پر صدق دل کے ساتھ عمل کرنے والے تھے اس لئے انکا تذکرہ درحقیقت سنت نبوی ہی کے قائم مقام ہے ۔

اسکی تائید موطا امام مالک اور مستدرک حاکم کی روایات سے بھی ہوتی ہے ۔
موطا امام مالک کے الفاظ ہیں :

مالک انه بلغه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ترکت فیکم امرین لن تضلو اما تمسکتم بهما کتاب الله و سنته نبیه

یعنی امام مالک کو یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک انہیں تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے 'کتاب اللہ اور اسکے نبی کی سنت[1]

اور مستدرک حاکم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا :

انی قد ترکت فیکم شیئین لن تضلو ابعدهما ، کتاب الله و سنتی ، ولن یتفرقا حتی یرد اعلی الحوض

---

[1] موطا الامام مالک باب النهی عن القول فی القدر ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا قدس سرہ اس حدیث کی سند اور دیگر روایات پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں : قال الزرقانی ان بلاغه صحیح کما قال ابن عینیه و قد اخرجه ابن عبدالبر من حدیث کثیر بن عبدالله بن عمرو بن عوف عن ابیه عن جده و قال فی التجرید هذا حدیث محفوظ مشهور عن النبی صلی الله علیه وسلم عند اهل العلم شهرة یکاد یستغنی بها عن الاسناد . و قد ذکرناه ، مسندا فی کتاب التمهید قلت و ذکر الحدیث صاحب المشکوة عن مالک مرسلا کما فی الموطا اوجز المسالک ص ١٠٠ ج ١٤

یعنی بے شک میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جن کے
بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے کتاب اللہ اور میری سنت' اور یہ
دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ
دونوں حوض کوثر پر میرے پاس آجائیں [1]

اب ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی بیسیوں آیات اور بہت ساری احادیث جن میں کتاب و سنت کا ساتھ ساتھ ذکر ہے اور یہ دو روایتیں جو ابھی ہم نے آپ کے سامنے نقل کی ہیں ان سب کو ترک کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے یہی کہنا ہو گا کہ حدیث ثقلین میں اہل بیت کا ذکر سنت نبوی کے قائم مقام ہے۔ اور یہاں اہل بیت کا ذکر اسی طرح سنت نبوی کے قائم مقام ہے جیسا کہ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خلفائے راشدین (رضی اللہ عنھم اجمعین) کی سنت تھامنے کا صریح حکم دیا ہے۔ آپ ؐ نے فرمایا:

علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین من
بعدی تمسکو ابها وعضو اعلیهابالنو اجذ

یعنی میری سنت کو اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے
راشدین کی سنت کو اپنے اوپر لازم پکڑ لو' اسے مضبوطی سے
تھام لو اور اسے اپنی ڈاڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے
پکڑ لو [2]

گویا اصل مقصود سنت رسول اللہ ہے اور اس سنت رسول اللہ کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ خلفائے راشدین ؓ (بشمول سیدنا علی ؓ) اور اہل بیت کی سنت کو دیکھ کر عمل کیا جائے کیونکہ خلفائے راشدین اور اہل بیت تمام صحابہ کرام ؓ میں نمایاں امتیازات کے حامل ہیں۔

---

[1] قد رواه الحاکم فی المستدرک عن ابن عباس و عن ابی هریرة و اقره الذهبی باسناده عن ابی ہریرة راجع المستدرک ص ۹۳ ج ۱ طبع حیدرآباد دکن ۱۳۳۴ ھ والجامع الصغیر مع شرحه فیض القدیر ص ۲۴۰ ج ۳ و اوجز المسالک ص ۱۰۰ ج ۱۴ و حدیث الثقلین و فقهه للدکتور علی احمد السالوس ص ۹

[2] ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ بحوالہ مشکوۃ المصابیح ص ۲۲۲ ج ۱

بہرحال رسول اللہ ﷺ نے اپنے خطبہ کے اس حصہ (حدیث ثقلین) میں قرآن مجید کو مضبوطی سے تھامنے اور اہل بیت کی محبت و اکرام اور ان کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی جانب امت کو توجہ دلائی، اور ان کے فضائل ذکر فرمائے۔

حدیث ثقلین کا ترجمہ اور ہمارا بیان کردہ مفہوم بالکل واضح ہے، کوئی بھی غیر جانبدار قاری اسے پڑھ کر یہی نتیجہ نکالے گا مگر شیعہ کا کہنا یہ ہے کہ حدیث ثقلین سے اہل بیت کی امامت و خلافت کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے، ان کے خیال کے مطابق حضور ﷺ کے خطبہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امت کی امامت و خلافت کا حق صرف اور صرف اہل بیت کو حاصل ہے۔

حالانکہ یہ وہ مفہوم ہے جسے نہ حدیث میں بیان کیا گیا اور نہ حدیث کے الفاظ سے اسے ثابت کیا جا سکتا ہے، ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ حدیث کے الفاظ میں نہ امامت کا ذکر ہے نہ ائمہ کا، نہ امامت و خلافت کا، اگر واقعی رسول اللہ ﷺ خلافت و امامت کا حق صرف اور صرف اہل بیت میں منحصر کر کے اسکا اعلان کرنا چاہتے تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اس سے نہ روک سکتی تھی۔ مگر نہ یہ آپ ؐ کا مقصود تھا اور نہ آپ نے اسے بیان کیا۔ آپ ؐ واضح طور سے امت کو اہل بیت کی محبت و اکرام کی طرف متوجہ کرنا چاہتے تھے جسکا آپ نے علی الاعلان اپنے خطبہ میں اظہار کیا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہوئے اہل بیت کی محبت و اکرام پر ابھارا۔ اسی لئے امت اسلامیہ اہل بیت کی محبت و اکرام کو اپنا جز و ایمان سمجھتی ہے اور اپنی نجات کا ذریعہ جانتی ہے۔

ہم نے جو کچھ عرض کیا وہ ایک انصاف پسند قاری کے لئے کافی ہے مگر اس ضمن میں مزید چند نکات کی طرف اشارہ کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، اور انشاء اللہ اس سے فائدہ کی بھی قوی امید ہے۔

۱۔ حدیث ثقلین سے پہلی بات یہ معلوم ہوئی کہ خالی کتاب ہدایت کے لئے کافی نہیں ہوتی بلکہ کتاب کے ساتھ انسان کا وجود ہدایت کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ قرآن مجید سے بڑھ کر نور و ہدایت کا سرچشمہ کیا ہو سکتا ہے؟ مگر قرآن مجید کے ساتھ کہ جس سے تلاوت اور علم کتاب و حکمت کی دولت نصیب ہوتی ہے، متقی اور ظاہر و باطن کے اعتبار سے باکمال انسانوں کا وجود بھی ضروری ہے جو تزکیہ کا

اہم کام سرانجام دے سکیں [1] دوسرے لفظوں میں ہدایت پر گامزن ہونے کے لئے کتاب اللہ کے ساتھ رجال اللہ کا وجود بھی ضروری ہے۔تزکیہ کا یہ کام اولاً رسول اللہ نے انجام دیا اور آپ نے صحابہ کرامؓ (بشمول اہل بیت) کی ایک ایسی عظیم جماعت تیار کر دی جس نے رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے اس دین کو اپنے ظاہر و باطن میں جذب کیا۔انکی تعلیم اور تزکیہ کے ذریعہ اپنے ظاہر و باطن کو منور کیا' اور پھر رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد پوری دنیا کو منور کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے' اور پوری دنیا کو ظاہراً و باطناً دین کے انوار سے منور کر دیا۔البتہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ اور اہل بیت نے (اپنی اپنی زندگی میں پورے دین پر مکمل استقامت کے ساتھ) دین پھیلانے میں دین کے مختلف شعبوں کو اختیار کیا' کسی پر جہاد کا رنگ غالب تھا' کسی پر تبلیغ کا' کسی پر روایت حدیث کا رنگ غالب تھا' کسی پر تفقہ کا' کوئی خلافت کے کاموں میں مصروف تھا تو کوئی تزکیہ قلب کے کاموں میں' کوئی امت کے ظاہر کو ٹھیک کر رہا تھا تو کوئی امت کے باطن کی طرف متوجہ تھا۔۔۔اہل [2] بیت چونکہ بالعموم خلافت سے دور رہے' یا منجانب اللہ اس میدان میں ان سے زیادہ کام لینا مقدر نہ تھا (کہ کہیں نبوت' سلطنت اور وراثت میں تبدیل

---

[1] ہمارا اشارہ قرآن مجید کی اس آیت کی طرف ہے۔
لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر قرآن مجید کی آیات تلاوت کرتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک اس سے قبل یہ لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ (آل عمران) اس آیت سے یہ بات واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقاصد تین ہیں (۱) تلاوت قرآن (۲) تزکیہ نفس (۳) تعلیم کتاب و حکمت کتاب سے قرآن مراد ہے اور حکمت سے رسول اللہ ﷺ کی باتیں (سنت) جن سے بڑھ کر روئے زمین پر حکمت کا سرچشمہ کوئی نہیں ہے۔

[2] یہ بات ہمیشہ اچھی طرح ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اہل بیتؓ صحابہ کرامؓ ہی میں شامل ہیں' ان سے علیحدہ نہیں ہیں' اور جہاں کہیں ''صحابہ کرامؓ'' کا ذکر آتا ہے اس میں اہل بیت بلاشبہ شامل ہوتے ہیں۔ اسکی مثال ''خلفائے راشدین'' ''عشرہ مبشرہ'' اور ''اصحاب بدر'' ہیں کہ یہ صحابہؓ سے علیحدہ طبقہ نہیں ہیں' صحابہؓ میں شامل ہیں' مگر بعض خصوصی امتیازات کی وجہ سے انہیں علیحدہ لقب دیا گیا' اسی طرح اہل بیت' صحابہ کرام میں شامل ہیں مگر ان کے خاص امتیاز کی وجہ سے انہیں علیحدہ لقب بھی دیا گیا ہے۔ البتہ وہ اہل بیت جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا دیدار نہیں کیا انکا شمار تابعین اور تبع تابعین میں ہوگا۔

نہ ہو جائے) اس لئے اہل بیت کی زیادہ توجہ تفقہ فی الدین، حکمت ربانیہ اور تزکیہ نفس کی طرف رہی، جس میدان میں وہ بلاشبہ اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے امتیازی شان کے حامل تھے[1] (رضی اللہ عنھم و عن جمیع الصحابہ اجمعین و جزاھم اللہ عن الامۃ خیرا خیرا)

۲۔ حدیث ثقلین سے دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جہاں کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنا ہدایت کے لئے ضروری ہے وہاں اہل بیت سے محبت اور انکا اکرام بھی ہدایت کے لئے ضروری ہے۔

اس حدیث میں اگرچہ سنت کا ذکر نہیں مگر سنت کتاب اللہ سے علیحدہ کوئی چیز بھی نہیں کیونکہ اگر ایک طرف سنت، کتاب اللہ کے اجمال ہی کی تفسیر ہے اور سنت کتاب اللہ کو عملی زندگی میں نافذ کرنے کا نام ہے تو دوسری طرف قرآن کریم کی آیات اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول سے بھری ہوئی ہیں۔ اس لئے سنت کو ثابت کرنے کی ضرورت نہ ہوئی کیونکہ سنت کی اہمیت اور اسکی حجیت تو خود کتاب اللہ سے خود ثابت ہے۔ اور قرآن کریم کی بہت ساری آیات اور بہت سی احادیث اسکو ثابت کرتی ہیں ۔۔۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے البتہ ۔۔۔ اہل بیت کی محبت اور اکرام کی اہمیت کو رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر بطور خاص واضح فرمایا جس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

(الف) اہل بیت کی محبت اور ان کے اکرام کے بارے میں کوئی واضح اور صریح نص قرآن مجید میں نازل نہیں[2] ہوئی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر مقتضی حال کے مطابق اہل بیت کی محبت اور ان کے اکرام کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا: اذکرکم اللہ فی اھل بیتی یعنی میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا یاد

---

[1] چنانچہ فقہ حنفی میں سیدنا حضرت علیؓ اور سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت جعفر صادقؒ کے اقوال و افعال، اور تصوف کے سلسلوں میں سیدنا حضرت علیؓ، حضرت علیؒ زین العابدین، اور دیگر اہل بیت کو جو مقام حاصل ہے وہ علماء اور صوفیاء کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

[2] جہاں تک سورہ شوریٰ کی آیت "قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی" ہے اسکی کئی تفسیریں کی گئی ہیں جن کے بیان کا یہاں موقعہ نہیں۔

دلاتا ہوں۔[1]

(ب) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں چونکہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شکایت پیدا ہوگئی تھیں (جنکا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں) تو اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں اسلامی برادری کے اس قابل احترام طبقہ کے بارے میں امت کو کوئی بدگمانی نہ ہو جائے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ میں اہل بیت کی عظمت و محبت کی طرف امت کو توجہ دلائی۔

(ج) اگر یہ بات بھی ذھن میں رکھی جائے کہ وصال نبوی کے بعد امت کی قیادت کا شرف بالاجماع حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ' اور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہونے والا ہے اور امت ان صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کے سامنے اپنی آنکھیں فرش راہ کرنے والی ہے اور امت اسلامیہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر دین پر ٹھیک عمل کرنے والی ہے ' تو اس بات کا خطرہ ہو سکتا تھا کہ دین کے عظیم مقاصد میں منہمک ہو کر کہیں یہ امت ' اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت و اکرام کو نظرانداز نہ کر دے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو اعتدال پر رکھنے کے لئے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت و اکرام کی طرف توجہ دلا دیں۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ باغ فدک اور مالی وراثت نبوی کے بارے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے عین مطابق اگرچہ واضح اور دوٹوک موقف اختیار کیا اور امت اسلامیہ نے انکی تائید کی مگر اس کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاتون جنت سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا وارضاھا کو راضی کرنے میں بھی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور انکو راضی کرنے کے لئے تواضع کے سارے طریقے اختیار فرمائے۔[2] (رضی اللہ عنہما) یہ سب کچھ اہل بیت کے اکرام کے حکم ہی کی وجہ سے

---

[1] قال ابن العربی : او اما حدیث الثقلین فقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذکرکم اللہ فی اہل بیتی، و ھذا دلیل علی انہ لا حظ لھم فی الامر، ولو کان لھم حظ فیہ لما وصی بھم (عارضۃ الاحوذی بشرح الترمذی ص ۱۷۵ ج ۱۳) علامہ ابن العربی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ حدیث ثقلین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (صحابہ کرام کو مخاطب بنا کر) یہ فرمانا کہ "میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا یاد دلاتا ہوں" خود اس بات کی دلیل ہے کہ اہل بیت کا خلافت میں حصہ نہ تھا ' اگر خلافت میں انکا حصہ ہوتا تو انکے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ وصیت نہ فرماتے۔ (عارضۃ الاحوذی)

[2] دیکھیں ہدیۃ الشیعہ از حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ص ۲۸۷ طبع لاہور

ہوا۔

۳۔حدیث ثقلین سے تیسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ قرآن اور اہل بیت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔کیونکہ اس خطبہ میں آپ ؐ نے فرمایا:

انهما لن يتفرقا حتى يردا على الحوض ۔یعنی یہ دونوں (قرآن اور اہل بیت)ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس آجائیں۔

اس جملہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اہل حق وہی سمجھے جائیں گے جو دونوں چیزوں کو مرتے دم تک تھامے رکھیں۔اور ان میں تفریق نہ کریں [۱]

اب غور کرلیا جائے کہ وہ کونسا گروہ ہے جو قرآن کو پوری طرح مانتا ہے' اس کے ایک ایک حرف کو محفوظ سمجھتا ہے۔اسکی تلاوت کو باعث ثواب سمجھتا ہے' اس قرآن مجید کے حفظ کرنے کو اپنی سعادت سمجھتا ہے۔اور جن کے گھروں میں جگہ جگہ قرآن مجید کے حفاظ نظر آتے ہیں اور اس قرآن مجید کے ایک ایک لفظ پر عمل کرنے میں اپنی نجات سمجھتے ہیں:

الذين آتيناهم الكتاب يتلونه حق تلاوته اولئك يومنون به
ومن يكفر به فاولئك هم الخسرون۔

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں
جس طرح کہ اسکی تلاوت کا حق ہے' یہی وہ لوگ ہیں جو
اس کتاب پر (حقیقتاً) ایمان لائے ہیں' اور جو اسکا انکار
کرے تو وہی لوگ خسارہ میں رہیں گے [۲]

اور دوسری طرف وہ کونسا گروہ ہے جو قرآن مجید میں (نعوذ باللہ) تحریف کا قائل ہے؟ جس کے خیال میں بعض سورتوں کو حذف کر دیا گیا ہے اور بعض میں کمی

---

[۱] یعنی قرآن کو تھامے رکھیں اس پر سنت کی روشنی میں عمل پیرا رہیں' اور اہل بیت کے ساتھ محبت و اکرام کا معاملہ رکھیں۔ حدیث ثقلین کے اس مذکورہ مفہوم کی تحقیق کے لئے دیکھیں: ہدایات الرشید مصنفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ ص ۹۳ تا ۹۵ مطبوعہ دہلی ۱۳۰۶ھ

[۲] (البقرہ : ۱۲۱) اس آیت کا شان نزول اگرچہ اہل کتاب کے بارہ میں ہے مگر یہ آیت لفظاً اور حکماً عام ہے (حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب مدظلہم)

کر دی گئی ہے ' جن کے گھروں میں تلاوت قرآن کا کوئی رواج نہیں اور جن کے گھروں کے بچوں کو اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کی نعمت سے محروم کر دیا ہے۔

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

یہ تو قرآن کا حال ہے ۔ اور جہاں تک اہل بیت کا معاملہ ہے شیعہ اہل بیت کی محبت کا دعوی تو بہت کرتے ہیں ۔ لیکن عقائد اور اعمال میں اہل بیت کے بالکل مخالف موقف اختیار کرتے ہیں ۔ جس کی تفصیل حیران کن ہے اور اس کے لئے ایک پوری کتاب درکار ہے ۔

اللہ تعالیٰ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رہ کو جزائے خیر دے انہوں نے اپنی مشہور کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" میں حدیث ثقلین کی شرح کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک کتاب اللہ کا کیا درجہ ہے اور اہل تشیع قرآن اور اہل بیت کے کس کس طرح مخالف ہیں؟

حضرت شاہ صاحب رہ نے الٰہیات سے متعلق ۲۲ عقیدے ' نبوت سے متعلق ۱۵ عقیدے ' امامت سے متعلق چھ عقیدے ' آخرت سے متعلق ۷ عقیدے ' ذکر کئے ہیں جن میں شیعہ نے کتاب اللہ اور اہل بیت کی صریح مخالفت کی ہے ۔ اس کے بعد شاہ صاحب رہ نے پوری فقہ کا جائزہ لیکر بتایا ہے کہ اہل تشیع نے ان تمام مسائل فقہ میں اہل بیت کی بالکلیہ مخالفت کرتے ہوئے اپنا علیحدہ مذہب بنایا ہے ۔

اہل تشیع کی ' قرآن اور اہل بیت سے مخالفت کی یہ طویل بحث "تحفہ اثناء عشریہ" کے سینکڑوں صفحات پر پھیلی ہے ۔ اردو ترجمہ میں یہ بحث ص ۲۴۷ سے شروع ہو کر ص ۵۴۱ تک گئی ہے [1] اس بحث کے شائقین وہاں رجوع فرمائیں ۔

ان چند سطور سے قارئین نے بہرحال اسکا اندازہ کر لیا ہو گا کہ اہل سنت کا گروہ ہی وہ گروہ ہے جو قرآن کو محفوظ مانتا ہے ' اسکی تلاوت کرتا ہے ' اس کے حفظ کرنے کو سعادت سمجھتا ہے اور صدق دل کے ساتھ اس پر عمل کرتا ہے اور اس کے ساتھ

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع ' لیتھو پرنٹنگ

ساتھ اہل بیت کی محبت و اکرام کو بھی اپنا جز و ایمان سمجھتا ہے۔ ان کے مستند اقوال و افعال کی سچی پیروی کرتا ہے اور ان کی جوتیوں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا نور سمجھتا ہے اور اس طرح "حدیث ثقلین" کا سچا متبع ہے۔ ادھر شیعہ ' قرآن اور اہل بیت کا صرف نام لیتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں انکے بہت سے عقائد اور فقہی مسائل دونوں کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ بلکہ اہل تشیع تو سب اہل بیت کے بھی قائل نہیں (جیسا کہ آگے عرض کیا جائے گا)

۴۔ حدیث ثقلین میں چونکہ "اہل بیت" کا بار بار ذکر آیا ہے ' اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ "اہل بیت" کا کیا مطلب ہے اور اس کے مصداق کون حضرت ہیں؟

اہل بیت عربی زبان میں اہل خانہ کو کہتے ہیں یعنی وہ لوگ جو مستقل طور پر گھر میں رہتے ہوں۔ چنانچہ عرف عام میں جب اہل خانہ کہا جاتا ہے تو اس میں بیوی ' نابالغ اولاد وغیرہ داخل ہوتے ہیں۔ شادی شدہ اولاد جو دوسرے گھر میں رہائش پذیر ہو اپنے اہل خانہ میں بالعموم داخل نہیں سمجھی جاتی۔ لغت اور عرف عام میں اہل خانہ کا مطلب یہی ہے۔ باقی قرآن و سنت کی روشنی میں اہل بیت اور عترت میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے علاوہ آپ ؐ کی صاحبزادیاں ' آپ ؐ کے داماد ' حضرت علیؓ اور آپ کے نواسے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ (اور آپ کے چچا حضرت عباسؓ اور انکی اولاد اور دوسرے رشتہ دار) بھی داخل ہیں۔

● ازواج مطہرات اہل بیت میں اولاً اس لئے داخل ہیں کہ عرف میں اہل بیت (اہل خانہ) میں بیویاں ضرور داخل ہوتی ہیں۔

ثانیاً اس وجہ سے کہ ازواج مطہرات کے "اہل بیت" میں شامل ہونے پر قرآن کریم کی نص قطعی ہے۔ قرآن حکیم میں واضح ارشاد ہے:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَوٰةَ وَآتِينَ الزَّكَوٰةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا - وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا

اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو' اور قدیم زمانہ
جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو اور تم نمازوں کی
پابندی رکھو' اور زکوۃ دیا کرو' اور اللہ اور اس کے رسول
کا کہنا مانو' اور اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے اہل بیت تم
سے گندگی کو دور رکھے اور تم کو پاک صاف رکھے[۱]

یہ آیت اس بارے میں صریح ہے کہ ازواج مطہرات' اہل بیت ہیں۔ کیونکہ یہ ایک رکوع کی آخری آیات ہیں۔ یہ رکوع آیت نمبر ۲۸ "یا ایها النبی قل لازواجک" سے شروع ہوا ہے اور مذکورہ آیات پر آکر ختم ہوا' اس میں سارا خطاب ازواج مطہرات سے ہے۔ اس رکوع میں اول سے لیکر آخر تک چھبیس ۲۶ صیغے اور ضمیریں مونث کی لائی گئی ہیں جو سب کی سب بلاشبہ' ازواج مطہرات کی طرف راجع ہیں۔[۲] اس لئے ازواج مطہرات کا "اہل بیت" میں داخل ہونا تو قرآن مجید کی اس نص قطعی سے ثابت ہوا۔

● باقی سیدنا حضرت علیؓ' سیدہ حضرت فاطمہؓ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنھم کا "اہل بیت" میں داخل ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے:

عن سعد بن ابی وقاص قال لما نزلت هذا الاية "ندع ابنائنا و ابنائكم" دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم عليا و فاطمة و حسنا و حسينا فقال اللهم هولاء اهل بيتى رواه مسلم ---- و عن عائشة رضى الله عنها قالت خرج النبى صلى الله عليه وسلم غداة و عليه مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن على فادخله ثم جاء الحسين فادخلهٗ معه ،ثم جاءت فاطمة فادخلها ثم جاء على فادخله ثم قال انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت و يطهركم تطهيرا - (رواه مسلم)

---

[۱] (سورۃ الاحزاب : ۳۴)
[۲] تفسیر معارف القرآن از حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ ص ۴۹۵ ج ۵

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی "ندع ابنائنا و ابنائکم"[1] تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، اور حضرت حسین کو بلایا اور فرمایا: اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک صبح باہر نکلے، آپ پر کالے بالوں کی ایک منقش چادر تھی، حسن بن علی آئے تو آپ نے انہیں چادر میں لے لیا، پھر حسین آئے وہ بھی چادر میں آگئے، پھر فاطمہ آئیں تو آپ نے انہیں بھی چادر میں لے لیا، پھر علی آئے تو آپ نے انہیں بھی چادر میں داخل کر لیا اور پھر آپ نے آیت پڑھی انمایرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا یعنی اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اے اہل بیت وہ تم سے گندگی کو دور رکھے اور تم کو پاک صاف رکھے۔[2]

ان احادیث صحیحہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اہل بیت میں صرف ازواج مطہرات ہی داخل نہیں (جنکی قرآن کی آیت میں تصریح ہے) بلکہ اہل بیت میں حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ بھی داخل ہیں۔ (کیونکہ احادیث صحیحہ میں اسکی تصریح آگئی ہے)

● بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر جن اہل بیت کے اکرام کا حکم دیا جارہا ہے ان میں درجہ بدرجہ حضور رحمت عالم ﷺ کے دوسرے قریبی رشتہ دار یعنی آپ کے چچا سیدنا حضرت عباسؓ انکی اولاد اور آپ کے دوسرے چچا زاد بھائی بھی داخل ہیں۔ جنہیں ''بنو ہاشم'' کہا جاتا ہے اور جن کے لئے زکوۃ لینا شرعاً ناجائز ہے۔ چنانچہ حضرت زیدؓ بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو ''حدیث ثقلین'' کے راوی ہیں پوچھا گیا کہ کیا حضور ﷺ کی ازواج مطہرات آپ ؐ کے اہل بیت میں داخل نہیں؟ تو حضرت زید بن ارقم نے فرمایا:

---

[1] سورہ آل عمران: ۶۱

[2] مشکوۃ المصابیح باب مناقب اھل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم (مرقاۃ ص ۲۷۰ ج ۱۱)

نسا ؤہ من اھل بیتہ ولکن اھل بیتہ من حرم الصدقة بعدہ قال ومن ھم قال ھم آل علی و آل عقیل و آل جعفر و آل عباس قال کل ھولاء حرم الصدقة قال نعم (مسلم) و فی الاکمال شرح مسلم: قدجاء ذلک عن زید مفسرا فی غیر ھذا وقیل من آل محمد قال الذین لاتحل لھم الصدقة الخ

یعنی ازواج مطہرات آپ ؐ کے اہل بیت میں سے ہیں ' لیکن (یہاں جن اہل بیت کے اکرام کا حکم دیا جارہا ہے ان سے وہ سب) اہل بیت مراد ہیں جن پر صدقہ (زکوۃ) لینا حرام ہے ' جن میں آل علیؓ ' آل عقیلؓ ' آل جعفرؓ ' اور آل عباسؓ سب داخل ہیں [1]

خلاصہ یہ کہ "حدیث ثقلین" میں جن اہل بیت کے حقوق کو یاد دلایا گیا ہے اور جن اہل بیت کی محبت اور اکرام کو امت پر لازم کیا گیا ہے ' ان میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات ' آپ ؐ کی صاحبزادیاں ' آپ کے داماد ' آپ کے نواسے ' آپ کے چچا ' آپ کے چچا زاد بھائی ' درجہ بدرجہ داخل ہیں ۔ جو اپنے اپنے فضائل منصوصہ کی بناء پر اسی تعظیم و اکرام کے مستحق ہیں جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ' اور اسی عظمت و مرتبہ کے مستحق ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے احادیث صحیحہ میں انکے لئے ثابت کر دیا ہے ۔

البتہ یہ ذہن میں رہنا چاہئے اگرچہ تمام اہل بیت فی الجملہ اکرام ' تعظیم اور محبت کے مستحق ہیں مگر ان میں فرق مراتب بھی ہے ۔ اور یہ فرق مراتب بھی صرف احادیث صحیحہ ہی سے ثابت ہے (جس کی پوری تفصیل کا یہ موقعہ نہیں ہے) ۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ کی چاروں صاحبزادیاں ہمارے لئے قابل احترام ' قابل تعظیم و اکرام ہیں مگر ان چاروں میں سے جو مقام سیدہ فاطمہؓ کا ہے وہ باقی بنات مکرمات کا نہیں کیونکہ آپ ؐ نے حضرت فاطمہؓ کو سیدۃ نساء اھل الجنة (یعنی اہل جنت خواتین کی سردار) کا لقب دیا ہے ۔[2] یہ لقب آپ ؐ نے باقیوں کو نہیں دیا ۔

---

[1] اکمال اکمال المعلم بشرح صحیح الامام مسلم ص ۲۲۶ ج ۶ ، نیز تفسیر مظہری عربی ص ۴۱۳ ج ۷

[2] جامع ترمذی بحوالہ مشکوۃ ۔ (مرقات ص ۴۰۷ ج ۱۱)

۵۔ آخر میں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اہل بیت کی محبت اور ان کے اکرام کا جو حکم دیا گیا اسکی وجہ صرف رشتہ داری کا تعلق نہیں (ورنہ خالی رشتہ داری تو ابولہب اور ابوجہل سے بھی تھی) بلکہ رشتہ داری کے ساتھ اسکی اصلی وجہ ایمان، اور قوت ایمانیہ کی وہ دولت ہے جو ان اہل بیت کو رسول اللہ ﷺ کی محبت اور قربت کے نتیجہ میں نصیب ہوئی، یہ اہل بیت چونکہ رسول اللہ ﷺ کی براہ راست تربیت اور نگرانی میں رہے، اس لئے انہیں "تزکیہ نفس" میں حصہ وافر نصیب ہوا[1] اور اس طرح قوت ایمانی کے ساتھ رشتہ داری کے تعلق نے ان حضرات کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام دیا ہے۔

یہ حقیقت رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث شریف میں بیان فرمادی ہے، حدیث "متفق علیہ" ہے۔ یہاں بخاری کے الفاظ نقل کئے جاتے ہیں۔

ان عمرو بن العاص قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم –جہارا غیر سر– یقول : ان آل ابی فلان لیسوا باولیائی، انما ولیی ولی اللہ و صالح المومنین -- (و فی روایۃ) ولکن لھم رحم ابلھا ببلالھا –

سیدنا حضرت عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو باواز بلند بغیر چھپائے یہ فرماتے سنا کہ "ابی فلاں" کے گھر والے میرے ولی (محبوب) نہیں ہیں۔ میرا ولی (محبوب، مددگار دوست) تو اللہ ہے اور نیک مومنین ہیں۔ ہاں ان لوگوں کے ساتھ رشتہ داری ہے جس کی تری کے ساتھ میں انکو ترکرتا رہتا ہوں۔ (یعنی رشتہ داری کی وجہ سے ان پر مالی احسان کرتا رہتا ہوں)[2]

---

[1] ان حضرات کی صدق ایمانی، تواضع اور قبول حق کی اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی کہ قریب ترین قرابت کے باوجود ان حضرات نے شریعت کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے پہلے خلفائے راشدین اور پھر خلفائے اسلام کی مکمل اطاعت اختیار کی اور بعض دینی مصالح کی وجہ سے جب نہی عن المنکر کا فریضہ سامنے آیا یا کسی ضرورت کی وجہ سے خروج کرنا پڑا تو وہ بھی محض لوجہ اللہ کیا گیا اور اس میں بھی قدم قدم پر احکام شریعت کی پاسبانی کی گئی۔ جزاھم اللہ خیرا۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب تبل الرحم ببلالھا راجع لشرح الحدیث و تعیین لفظ فلان، فتح الباری لابن حجر ص ۴۲۰، ۴۲۲ ج ۱۰

اس حدیث پاک سے جہاں رشتہ داری کا مرتبہ واضح ہوتا ہے وہاں لفظ "ولی" کا ترجمہ اور مفہوم سمجھنے میں بھی مدد ملتی ہے کیونکہ یہی لفظ خطبہ غدیر خم کے دوسرے حصہ "موالات علی" میں بھی مذکور ہے جس کا بیان اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ہم اب شروع کرنے والے ہیں۔

حدیث الموالاۃ

خطبہ غدیر کے دوسرے حصہ کو "حدیث الموالاۃ" کے عنوان سے اس لئے بیان کیا جارہا ہے کہ روایات حدیث میں خطبہ کے دوسرے حصہ میں یہی لفظ "موالاۃ" بار بار استعمال ہوا ہے۔

اس سے قبل کہ حدیث موالاۃ میں موجود اہم نکات کی طرف توجہ دلائی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام روایات میں مذکور تمام الفاظ یکجا ایک مرتبہ قارئین کے سامنے آجائیں تاکہ ان کا مفہوم سمجھنا آسان ہوجائے۔ موالاۃ کی جتنی حدیثیں ہم پہلے نقل کرچکے ہیں اگر وہ سب سامنے رکھ لی جائیں اور ان کے صحیح اور ضعیف ہونے میں محدثین کا جو اختلاف ہے اس سے بھی صرف نظر کرلی جائے تب بھی تمام روایتوں کا خلاصہ صرف درج ذیل ہے۔ تمام روایتوں میں اس سے زیادہ کوئی بات موجود نہیں ہے۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ آگے جو الفاظ درج کئے جارہے ہیں ان میں سے بعض کے بارے میں تو روایات میں تصریح ہے کہ یہ الفاظ خطبہ غدیر سے متعلق ہیں، اور بعض الفاظ کے بارے میں خطبہ غدیر کی کوئی تصریح نہیں، مگر شیعہ چونکہ ان الفاظ سے بھی استدلال کرتے ہیں اس لئے انہیں یہاں درج کردیا گیا ہے تاکہ شیعوں کا پورا موقف سامنے آجائے۔

- ان علیا منی و انا منہ وھو ولی کل مومن من بعدی[1]۔
  (ترمذی ونسائی بدون ذکر غدیر خم)

---

[1] قال الترمذی ھذا حدیث غریب لا نعرفه الا من حدیث جعفر بن سلیمان و قال عبدالرحمن المبارکبوری فی شرح الترمذی فان مدارہ (ای استدلال الشیعه) علی صحة زیادۃ لفظ بعدی و کونہا صحیحة محفوظة قابلة للاحتجاج، والامر لیس کذلک فانہا قد تفرد بہا جعفر بن سلیمان، ھو شیعی بل ھو غال فی التشیع، کان اذا ذکر معاویة شتمه و اذا ذکر علیا قعد یبکی --- فاذا ھو رافضی مثل العمار --- واما کونه شیعیا فھو بالاتفاق --- والظاھر ان زیادۃ بعدی فی ھذالحدیث من و ھم ھذین الشیعین و یویدہ ان الامام احمد روی فی مسندہ ھذاالحدیث من عدۃ طرق لیست فی واحدۃ منہا ھذا الزیادۃ ---- فظھر بھذا کل ان زیادۃ لفظ بعدی فی ھذا الحدیث لیست محفوظة بل ھی مردودۃ ---- و قال الحافظ ابن تیمیه فی منہاج السنة: و کذلک قوله ھو ولی کل مومن بعدی کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بل ھو فی حیاته و بعد مماته ولی کل مومن و کل مومن ولیه فی المحیا والممات فالولایة التی ھی ضد العداوۃ لاتختص بزمان واما الولایة التی ھی الامارۃ فیقال فیہا والی کل مومن بعدی کما یقال فی صلاۃ الجناۃ اذا اجتمع الولی والوالی قدم الوالی فی قول الاکثر و قیل یقدم الولی، و قول القائل علی ولی کل مومن بعدی کلام یمتنع نسبته الی النبی صلی اللہ علیه وسلم فانه ان اراد الموالاۃ لم یحتج ان یقول بعدی و ان ارادا الامارۃ کان ینبغی ان یقول و ال علی کل مومن انتہی- تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی ج ٤ ص ۳۲۵، ۳۲۷ - طبع بیروت

- من کنت مولاہ فعلی مولاہ (ترمذی)
- الست اولی بالمومنین من انفسھم قالوا بلی قال الست اولی بکل مومن من نفسہ قالوا بلی قال فھذا ولی من انا مولاہ، اللھم وال من والاہ، اللھم عاد من عاداہ ـ (ابن ماجہ)
- من کنت ولیہ فعلی ولیہ (نسائی)
- ان اللہ مولای و انا ولی کل مومن ثم اخذ بید علی فقال من کنت ولیہ فھذا ولیہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ (نسائی)

ان روایات کا ترجمہ درج ذیل ہے ـ

- ۱ـ بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور وہ میرے بعد[1] ہر مومن کے محبوب (ولی) ہیں ـ (ترمذی و نسائی)
- ۲ـ میں جس کا محبوب (مولی) ہوں، علی اسکے محبوب (مولی) ہیں ـ (ترمذی) ـ
- ۳ـ کیا میں مومنین کی جانوں سے بڑھ کر ان کا محبوب (اولی) نہیں ہوں؟ حاضرین نے عرض کیا کیوں نہیں! آپ ؐ نے فرمایا، کیا میں ہر مومن کو اسکی جان سے زیادہ محبوب (اولی) نہیں ہوں؟ حاضرین نے عرض کیا کیوں نہیں! آپ ؐ نے فرمایا جس کا میں محبوب (مولی) ہوں تو علی اسکے محبوب (ولی) ہیں ـ اے اللہ جو علی سے محبت (موالات) کرے آپ اس سے محبت (موالات) کریں اور اے اللہ جو علی سے

---

[1] اس روایت میں "میرے بعد" کا لفظ ایک غالی شیعی کا اضافہ ہے ـ امام ترمذیؒ نے روایت بیان کرنے کے بعد اس شیعی راوی کی نشاندہی بھی کی ہے (دیکھیں ترمذی ص ۲۹۶ ج ۵ طبع دارالفکر بیروت) نیز امام ابن تیمیہؒ اور دیگر تمام شراح حدیث اس لفظ "میرے بعد" کے اضافہ کو غلط اور شیعہ راوی کا تصرف قرار دے رہے ہیں ـ اس لئے اس روایت کے ابتدائی الفاظ دوسری روایات کے پیش نظر درست بھی ہوں تو بھی اس روایت میں "میرے بعد" کا اضافہ محدثین کے نزدیک درست نہیں ہے ـ (دیکھیں گذشتہ عربی حاشیہ جس میں دلائل نقل کر دیئے گئے ہیں) ـ احقر عرض کرتا ہے کہ یہ اضافہ درست ہو یا نہ ہو مگر اس حدیث سے شیعہ کا عقیدہ امامت اور خلافت علی بلافصل پر استدلال بہرحال کسی طرح درست نہیں جیسا کہ قارئین پر انشاء اللہ واضح ہوگا ـ ۱۲ محمود عفی اللہ عنہ

نفرت (معاداۃ) کرے آپ اس سے نفرت (معاداۃ) کریں ۔(ابن ماجہ)

- ۴۔ جسکا میں محبوب (ولی) ہوں تو علی اسکے محبوب (ولی) ہیں ۔(نسائی)
- ۵۔۔بے شک اللہ میرا محبوب (مولی) ہے 'اور میں ہر مومن کا محبوب (ولی) ہوں ۔ پھر آپ ؐ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا : میں جسکا محبوب (ولی) ہوں تو علی اسکے محبوب (ولی) ہیں ۔اے اللہ جو علی کے ساتھ محبت (موالات) کرے آپ اس کے ساتھ محبت (موالات) رکھیں اور جو علی سے نفرت (معادات) رکھے تو آپ بھی اس سے نفرت (معادات) رکھئے ۔(نسائی)

ان تمام روایتوں میں پانچ لفظ بار بار استعمال ہوئے ہیں (۱) ولی (۲) مولی (۳) اولی ۔ان تینوں کا ترجمہ محبوب بھی ہو سکتا ہے اور دوست بھی مددگار بھی ۔ (۴) موالات :اسکا ترجمہ محبت بھی ہو سکتا ہے اور دوستی بھی ۔ (۵) معادات :اسکا ترجمہ دشمنی بھی ہو سکتا ہے اور نفرت بھی ۔

کلام کے تسلسل کے پیش نظر ترجمہ کرنے والے کے لئے مناسب ہے کہ وہ بالترتیب محبوب اور محبت اور نفرت کا ترجمہ کرے یا پھر دوست 'دوستی' دشمنی کا ترجمہ کرے ورنہ کلام میں توازن برقرار نہیں رہے گا ۔

شیعہ کا استدلال

ان تمام روایات کے اصل الفاظ اور ان کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے۔ ان روایات کو ایک نظر دیکھ کر کوئی قاری یہ نہیں سمجھ سکتا کہ ان میں "عقیدہ امامت" ذکر کیا گیا ہے یا ان میں سیدنا حضرت علیؓ کی "امامت بلا فصل" کو ثابت کیا گیا ہے۔ مگر شیعہ کا کہنا ہے کہ ان تمام روایات میں جہاں جہاں ولی، مولی، اور اولی کے الفاظ آئے ہیں ان سے والی یعنی حاکم ہونا مراد ہے اور والی بھی "والی بلا فصل" یعنی "امام بلا فصل" مراد ہے۔ اس لئے ان روایات سے۔ بقول شیعہ۔ سیدنا حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل ثابت ہوتی ہے۔ یہ پورے شیعہ استدلال کا خلاصہ ہے۔

مگر شیعہ کا یہ سارا استدلال لغت کے اعتبار سے بھی بے محل ہے اور کلام نبوی ؐ کے تسلسل کے اعتبار سے بھی۔ ان کا استدلال عقلاً بھی غلط ہے اور اہل بیت کے اقوال کی روشنی میں نقلاً بھی، جنکی تفصیل ترتیب وار درج ذیل ہے۔

کتب لغت

ولی کا لفظ ہو یا مولی کا یا اولی کا یہ تینوں لفظ ولایت سے نکلے ہیں ولایت کے معنی عربی زبان میں دو چیزوں کے درمیان قرب اور تعلق کے ہیں خواہ وہ قرب اور تعلق مکان کے اعتبار سے ہو یا نسبت کے اعتبار سے یا دین کے اعتبار سے [1]

ولی کے معنی عربی زبان میں مددگار، دوست، محبّ اور محبوب کے ہیں۔ اسکی جمع اولیاء آتی ہے۔ (جیسے ولی اللہ، اولیاء اللہ وغیرہ) ولی کا لفظ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جیسے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوا --- اللہ دوست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔ (البقرہ -- ۲۵۷)

---

[1] مفردات القرآن راغب ص ۵۵۵ عربی طبع نور محمد کراچی

اور مومنین کے لئے بھی استعمال ہوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کی گئی ہے جیسے۔

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ

خبردار اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔ (سورہ یونس ــ ۶۲)

اور یہی لفظ مومنین کے لئے استعمال ہوا جبکہ نسبت دوسرے مومنین کی طرف کی گئی جیسے:

اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ

اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار / دوست ہیں (سورہ التوبہ ۔۷۱)

یہی لفظ ''ولی'' چند صفحات قبل (ص ۸۷) بخاری شریف کی اس حدیث میں بھی گزر چکا ہے جس میں آپ ؐ نے فرمایا: ان آل ابی فلان لیسو الی باولیاء، انما ولیی اللہ و صالح المومنین یعنی ابی فلاں کے گھر والے میرے ولی (مددگار، دوست، محبوب) نہیں میرا ولی (مددگار، دوست، محبوب) تو اللہ ہے اور نیک مومنین ہیں [1]

صرف ان چند حوالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ لفظ ''ولی'' کو ''والی'' کے معنی کے ساتھ مخصوص کرنا یا اس پر اصرار کرنا کس قدر غلط ہے۔

● جہاں تک لفظ ''مولی'' کے معنی ہیں تو یہ لفظ بہت سارے معانی میں استعمال ہوتا ہے اور مختلف احادیث میں یہ مختلف معانی میں استعمال ہوا ہے۔

علامہ ابن الاثیر جزری اپنی لغت کی مشہور کتاب ''النہایہ فی غریب الحدیث'' میں لکھتے ہیں۔

وھو اسم یقع علی جماعۃ کثیرۃ فھو الرب، و المالک،

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب تبل الرحم ببلالھا ـ فتح الباری ص ۴۲۰/۴۲۲ ج ۱۰

و السید ، و المنعم ، و المعتق ، و الناصر ، و المحب ، و التابع ، و الجار ، و ابن العم ، و الحلیف ، و العقید ، الصہر ، و العبد ، و المعتق ، و المنعم علیه و اکثرھا قدجاء ت فی الحدیث فیضاف کل و احد الی مایقتضیه الحدیث الوارد فیه ------ و منه الحدیث "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" یحمل علی اکثر الاسماء المذکورۃ –

اور یہ لفظ "مولی" ایک ایسا نام ہے جو کئی معانی پر بولا جاتا ہے پس مولی کے معنی پروردگار' مالک' سردار' محسن' آزاد کرنے والا' مددگار' محبت کرنے والا' فرمانبردار' پڑوسی' چچازاد بھائی' عہد و پیمان کرنے والا' عقد کرنے والا' داماد' غلام' آزاد کردہ غلام' اور احسان مند کے آتے ہیں ۔ان میں سے اکثر معانی حدیث میں استعمال ہوئے ہیں اور ہر حدیث کے مقتضی کے مطابق معنی مراد لیا جاتا ہے -----یہی لفظ حدیث "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" میں بھی استعمال ہوا ہے اور وہاں اس کے اکثر معنی مراد لئے جا سکتے ہیں ۔[1]

اس کے بعد علامہ جزری رہ نے کچھ اور حدیثیں بھی نقل کی ہیں جہاں یہ لفظ "مولی" استعمال ہوا ہے' مثلاً

ایما امرا ۃنکحت بغیر اذن مولاھافنکاحہا باطل[2]

(جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اسکا نکاح باطل

---

[1] النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ص ۲۲۸ ج ۵ مطبوعہ موسسہ مطبوعاتی اسما عیلیان - قم - ایران

[2] حدیث معروف بلفظ بغیر اذن ولیھا راجع مشکوۃ المصابیح ص ۲۷۰ و جمع الفوائد ص ۲۷۷ ج ۱

ہے) اور حدیث مزینة و جهینة و اسلم و غفار موالی الله و رسوله [1] (قبیلہ مزنیہ' قبیلہ جہینہ' قبیلہ اسلم' اور قبیلہ غفار سب اللہ اور اسکے رسول کے مددگار / دوست ہیں) اور حدیث اسالک غنای و غنا مولای۔ [2] (اے اللہ میں آپ سے اپنی اور اپنے متبعین / مددگاروں' کی مالداری کا سوال کرتا ہوں) ۔۔۔۔۔ قارئین اندازہ کرسکتے ہیں کہ ان سب حدیثوں میں مولی کے معنی خلیفہ اور حاکم وقت مراد لینا ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح قرآن حکیم میں سورۃ الاحزاب میں منہ بولے بیٹے کے احکام کے ضمن میں یہ لفظ "مولی" جمع کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے۔ ارشاد ہے:

فان لم تعلموا آباءهم فاخوانکم فی الدین وموالیکم، یعنی اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہوں تو وہ دین میں تمہارے بھائی اور تمہارے مددگار ہیں۔ (سورۃ الاحزاب۔۵)

یہاں بھی مولی کے معنی خلیفہ اور حاکم مراد لینا ممکن نہیں ہے بلکہ مددگار کا ترجمہ متعین ہے۔ [3]

● "اولی" کے معنی عربی زبان میں اقرب اور احق ہیں یعنی اسکا ترجمہ زیادہ قریب' زیادہ حقدار اور زیادہ لائق کا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

"ان اولی الناس بابراهیم للذین اتبعوه وهذا النبی والذین آمنوا والله ولی المومنین۔ بے شک لوگوں میں (حضرت) ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں ابراہیم کا اتباع کیا اور یہ نبی (محمد ﷺ) ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ مومنین کا مددگار ہے۔ (آل عمران۔۶۸)

اس آیت میں "اولی" کے معنی حاکم یا خلیفہ لینا ممکن ہی نہیں کیونکہ حضرت ابراہیم کے متبعین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حاکم کیسے ہوسکتے ہیں؟ ہاں قریب ترین

---

[1] متفق علیہ' مشکوۃ المصابیح ص ۵۵۱ عربی۔
[2] مجمع الزوائد و منبع الفوائد ص ۱۷۸ ج ۱۰ و قد رواہ الطبرانی' و احمد' مناجات مقبول
[3] صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا: "انت اخونا و مولانا" یعنی ہمارے بھائی اور ہمارے مولی ہو۔ یہاں بھی مولی کا ترجمہ "حاکم" یا "امام" کے ساتھ کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ دیکھیں بخاری کتاب الصلح ص ۳۷۲ / ۱۱ اور مشکوۃ عربی ص ۲۹۳

ضرور تھے۔اسی طرح قرآن حکیم میں ارشاد ہے :

النبی اولی بالمومنین من انفسھم و ازواجہ امھاتہم و اولو الارحام بعضہم اولی ببعض فی کتاب اللہ من المومنین و المھاجرین الا ان تفعلوا الی اولیائکم معروفا کان ذلک فی الکتاب مسطورا۔

نبی (ﷺ) مومنین کے ساتھ خود انکی جانوں سے زیادہ قریب (حقدار) ہیں اور رشتہ دار (میراث میں) بعض بعض کے ساتھ زیادہ قریب (حقدار) ہیں اللہ کی کتاب میں تمام مومنین اور مہاجرین کے مقابلہ میں الا یہ کہ تم اپنے دوستوں (مددگاروں) کے ساتھ کچھ حسن سلوک کرنا چاہو۔یہ بات کتاب میں لکھی جا چکی ہے [1]

اس آیت کریمہ میں "اولی" دو جگہ استعمال ہوا ہے۔یہاں بھی حاکم اور خلیفہ کا مفہوم نکالنا عقل اور نقل کے خلاف ہے بلکہ زیادہ قریب، زیادہ تعلق رکھنے والا، زیادہ حقدار کا مفہوم متعین ہے۔اس آیت کی تشریح صحیح بخاری کی حدیث نے اور واضح کر دی ہے۔آپ ؐ نے فرمایا :

مامن مومن الا و انا اولی الناس بہ فی الدنیا و الآخرۃ، اقروا ان شئتم، النبی اولی بالمومنین من انفسہم فایما مومن ترک مالا فلیرثہ عصبتہ من کانوا فان ترک دینا او ضیاعا فلیاتنی فانا مولاہ

یعنی کوئی مومن نہیں مگر یہ کہ دنیا و آخرت میں لوگوں کے مقابلہ میں میں اس کے سب سے زیادہ قریب میں ہوں، اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو۔ النبی اولی بالمومنین من انفسھم تو اب جو مومن مال چھوڑ کر مرا تو اسکے عصبات (قریبی رشتہ دار) اسکے وارث ہوں گے وہ جو بھی ہوں، ہاں اگر وہ قرضہ چھوڑ گیا یا ایسی چیز چھوڑ گیا جس کے

---

[1] (سورۃ الاحزاب : ۶)

ضائع ہونے کا ڈر ہے تو وہ میرے پاس آجائے میں اسکا
مددگار ہوں گا۔[1]

یہ حدیث ''اولی'' کے ترجمہ اور مفہوم کو متعین کرتے ہوئے آیت کریمہ کے معنی کو واضح کر رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کے مسلمانوں کے ساتھ جو گہرا اور قریبی تعلق ہے اور جس قدر حضور ﷺ کو انکی دنیوی اور اخروی صلاح و فلاح کا خیال ہے اتنا خود مومنین کو اپنا خیال نہیں ہے۔

اس لئے کتب لغت کے حوالہ سے شیعہ کا یہ دعوی بالکل غلط ثابت ہوتا ہے کہ حدیث غدیر میں ولی 'مولی اور اولی سے حاکم 'امام یا خلیفہ مراد لیناہی مراد نبوی ہے۔

کلام نبوی کا تسلسل

خطبہ غدیر کی تمام روایات کے موضوع بحث اصل عربی الفاظ اور ان کے ترجمہ کو کوئی بھی غیرجانبدار قاری اپنے سامنے رکھ لے 'اور سارے الفاظ کو سامنے رکھ کر انکا مسلسل ترجمہ کرنا چاہے تو اسکا ترجمہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو ہم نے پیچھے درج کیا ہے اور جسے جمہور امت نے اختیار کیا ہے۔

اگر شیعہ مصنفین کی بات مان کر حدیث الموالات میں لفظ ''اولی'' اور ''مولی'' کے لفظ کا ترجمہ ''حاکم'' سے کر لیا جائے تو ''موالات'' کا ترجمہ کیا کیا جائے گا؟ موالات کا ترجمہ حکومت کے ساتھ کیسے ممکن ہے؟ وہاں تو محبت کا ترجمہ ہی متعین ہے۔

ص ۵۹ اور ص ۸۱ پر ہم نے ابن ماجہ کے حوالہ سے حدیث کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ ایک مرتبہ پھر یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) کیا میں مومنین کی جانوں سے بڑھ کر ان کا محبوب
(اولی) نہیں ہوں؟ حاضرین نے عرض کیا کیوں نہیں!
آپ ؐ نے فرمایا: (۲) کیا میں ہر مومن کو اسکی جان سے
زیادہ محبوب (اولی) نہیں ہوں؟ حاضرین نے عرض کیا

---

[1] صحیح بخاری' بحوالہ روح المعانی ص ۱۵۱ ج ۲۱

کیوں نہیں! آپ ؐ نے فرمایا۔ (۳) جسکا میں محبوب
(مولی) ہوں تو علی اسکے محبوب (ولی) ہیں۔ (۴) اے
اللہ جو علی سے محبت (موالات) کرے آپ اس سے محبت
(موالات) کریں اور اے اللہ (۵) جو علی سے نفرت
(معادات) کرے آپ اس سے نفرت (معادات)
کریں[1]

کوئی بھی سمجھدار غیر جانبدار شخص اس روایت کو دیکھ کر اندازہ کر سکتا ہے کہ اگر پہلے اور تیسرے جملہ میں حاکم کا ترجمہ کر بھی لیا جائے تو دوسرے جملہ میں ''حاکم'' کا ترجمہ کیسے مناسب ہو گا؟ پھر چوتھے جملہ میں موالات کا ترجمہ حکومت یا اس کے ہم معنی لفظ کے ساتھ کرنا کیسے درست ہو گا؟ پھر پانچویں جملہ میں معادات کا ترجمہ حکومت یا اس کے ہم معنی لفظ کی ضد کے ساتھ کیسے کیا جائے گا؟

ہاں کوئی شخص خطبہ کے پس منظر، اسکے موقع محل اور سیاق و سباق سب سے قطع نظر کر کے محض ایک دو جملوں میں اپنی من مانی کرنا چاہے تو اسکا کیا علاج ہو سکتا ہے۔

افسوس کہ شیعہ مصنّفین نے اس خطبہ کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے۔ خطبہ کے پس منظر موقع محل، اور سیاق و سباق سب کو ٹھکرا کر اور کلام نبوی کے تسلسل کو بالکلیہ نظر انداز کرتے ہوئے شیعہ مصنّفین اس خطبہ کے ایک دو جملوں میں اپنی من مانی کر کے اپنے مذہب کی پوری عمارت اس پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ انا للہ (ھداھم اللہ تعالی و وقاھم من الضلال و الطغیان)

شیعہ استدلال عقل کی روشنی میں

عقل کی روشنی میں بھی شیعہ کا دعوی بالکل غلط ہے کیونکہ ۱۔اگر شیعہ حضرات کی بات تسلیم کر لی جائے کہ خطبہ غدیر کا مقصد صرف یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی امامت اور خلافت بلا فصل کا اعلان فرمائیں (جسکا اظہار کرنا بقول شیعہ اللہ تعالیٰ پر بھی واجب تھا

---

[1] ابن ماجہ

اور حضور ﷺ پر بھی واجب کر دیا گیا تھا) تو بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنے اہم ترین مسئلہ (عقیدہ امامت اور امامت علی بلا فصل) پر ایسے گول مول الفاظ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی ؟ آخر اس میں کیا امر مانع تھا کہ رسول اللہ ﷺ جیسے عظیم المرتبت پیغمبر ولی 'مولی' اور اولی کے الفاظ کے بجائے "والی" "ولات" حاکم ' حکام 'امام' ائمہ ' خلیفہ بلا فصل کے الفاظ اختیار فرما لیتے جن سے کوئی اشتباہ باقی نہ رہتا اور مسئلہ کھل کر واضح ہو جاتا؟ حضور رحمت عالم ﷺ کی تو بعثت ہی اس لئے ہوئی تھی کہ آپ دین کی سب باتوں کو کھول کر امت کے سامنے بیان کر دیں تاکہ امت اس پر عمل پیرا ہو سکے ۔ رسول اللہ ﷺ نے تو وضو 'غسل اور تیمم تک کے مسائل صاف ' واضح اور دو ٹوک الفاظ میں ارشاد فرمائے ہیں تاکہ ان پر عمل آسان ہو سکے ' یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ صحابہ کرام کے مجمع کے سامنے خطاب کرتے ہوئے حضرت علیؓ کی امامت بلا فصل کا اعلان کرنا چاہتے ہوں ' صحابہ کو اس مقصد کے لئے جمع کیا گیا ہو ' حضرت علیؓ کی محبت کا بر سر عام اعلان کیا گیا ہو اور حضرت علیؓ کے لئے "والی" حاکم ' خلیفہ اور امام کے الفاظ اختیار کرنے کے بجائے آپ وہ الفاظ استعمال فرمائیں جن سے حضرت علیؓ کی محبت کا اظہار ہوتا ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ اپنے وصال سے تین ماہ قبل غدیر خم کے موقعہ پر حضرت علیؓ کی امامت بلا فصل کا اعلان کرنا چاہتے تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اس سے نہیں روک سکتی تھی 'مگر امامت علیؓ کا اعلان نہ آپ کا مقصد تھا نہ آپ نے اپنے کلام مبارک میں اسکا اظہار فرمایا آپ امت کو اہل بیت کی محبت و اکرام اور حضرت علیؓ کی محبت کی طرف متوجہ فرمانا چاہتے تھے اسکا آپ نے ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا ۔ اہل بیت کی محبت اس لئے کہ وہ صحابہ کرامؓ میں سے ایک اہم طبقہ ہیں اور حضرت علیؓ کی محبت اس لئے کہ انہوں نے چوتھے خلیفہ راشد کے طور پر اس امت کی قیادت و ہدایت کا فریضہ انجام دینا تھا ۔

● ۲۔ اگر شیعہ کی بات تسلیم کر کے حدیث الموالات کے ان الفاظ مذکورہ کا ترجمہ حاکم اور امام سے کر دیا جائے تو لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں حضرت علیؓ امام ہو گئے تھے اور دونوں کی امامت بیک وقت امت پر لازم ہو گئی تھی ۔ حالانکہ خود شیعہ بھی اس بات کے قائل نہیں ۔ شیعہ کا دعوی تو یہ تھا کہ حضرت علیؓ خلیفہ بلا فصل تھے اور دلیل میں یہ بات کہدی گئی کہ حضرت علیؓ خلیفہ

بلا فصل نہیں بلکہ حضور ﷺ کی زندگی میں انہیں کی طرح امام واجب الاتباع اور اولی بالتصرف ہوگئے تھے جس طرح رسول اللہ ﷺ تھے ۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں ؟

اور اگر شیعہ فرقہ یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ ہے کہ " میرے بعد " یہ خلیفہ ہوں گے جیسا کہ ایک روایت میں آرہا ہے تو جواب یہ ہے کہ اس بات کے تو اہل سنت والجماعت بھی منکر نہیں کہ حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ کے بعد (اپنے نمبر پر چوتھے) خلیفہ راشد تھے ۔ شیعہ استدلال تو اس وقت پورا ہوتا جبکہ روایت میں " فوراً میرے بعد " کے الفاظ ہوتے ۔ اس کے علاوہ ہم ان روایتوں کے بیان کرتے وقت اپنے عربی اور اردو حاشیہ میں دلائل سے یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ روایت میں " میرے بعد " (بعدی) کا لفظ موہوم موضوع ہے اور شیعہ راوی کا اضافہ ہے ۔ اس راوی کی امام ترمذی رح نے اپنی کتاب میں نشاندہی کر دی ہے اور شراح حدیث نے اس راوی کے تفصیلی حالات بیان کر دیئے ہیں [1]

● ۳ ۔ اگر حدیث الموالات سے واقعتاً سیدنا حضرت علیؓ کی خلافت بلا فصل ثابت ہوگئی تھی تو قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر امت اسلامیہ کا اجماع منعقد ہو رہا تھا تو کسی ایک شخص نے بھی یہ حدیث موالات حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے کیوں نہ پیش کی ؟ سقیفہ بنی ساعدہ میں دیگر آراء کا سامنے آنا تو روایات سے ثابت ہے مگر یہ ثابت نہیں کہ کسی فرد واحد نے سیدنا حضرت علیؓ کی خلافت کی تجویز پیش کر کے یہ حدیث الموالات دلیل میں پیش کی ہو ' جبکہ یہ حدیث الموالات صحابہ کرامؓ کے عمومی مجمع کے سامنے غدیر خم کے موقع پر بطور خاص بیان کی گئی تھی ۔ یہ سب کچھ خود اس بات کی واضح دلیل ہے کہ " حدیث الموالات " کا خلافت کے مسئلہ سے قطعاً کوئی تعلق ہی نہیں تھا ' بلکہ اسکا اہل بیت اور سیدنا حضرت علیؓ کی محبت و اکرام سے تعلق تھا جس پر صحابہ کرامؓ میں کبھی اختلاف نہیں رہا ۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) ۔

● ۴ ۔ اگر اس " حدیث الموالات " کا خلافت کے مسئلہ سے تعلق ہوتا تو خود سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو اپنی خلافت کے استدلال میں پیش

---

[1] (دیکھیں ص ۸۰ ص ۸۱ عربی اور اردو حاشیہ)

فرماتے کیونکہ یہ حضرات دین کے معاملہ میں نہ دبنے والے تھے نہ خاموش رہنے والے۔

حضرت علیؓ کو سقیفہ بنی ساعدہ کے بعد اس بات کا تو رنج ہوا کہ مجھے اس مشورہ میں کیوں شریک نہیں کیا گیا؟ چنانچہ انہوں نے اسکا اظہار بھی کیا اور باقی حضرات صحابہؓ نے انکی محبت اور انکا اکرام کرتے ہوئے اپنا اصل عذر[1] بیان کر کے انکی شکایت بھی دور کی۔ مگر یہ کہیں ثابت نہیں کہ سیدنا حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کا دعوی کیا ہو یا اپنی خلافت کو ثابت کرنے کے لئے حدیث الموالات اور خطبہ غدیر کو دلیل میں پیش کیا ہو۔ یہ بھی اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ خطبہ غدیر کا خلافت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

پھر جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی اور سیدنا عمر فاروق کی خلافت منعقد ہوئی اور اسکے بعد سیدنا عثمان غنیؓ کی خلافت منعقد ہونے کا وقت آیا تو بھی ان دونوں موقعوں پر حضرت علیؓ نے نہ خلافت کا دعوی کیا نہ دلیل میں یہ خطبہ پیش کیا۔ اگر یہ "حدیث موالات" خلافت کی دلیل ہوتی تو ضرور پیش کی جاتی۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر جب خود سیدنا حضرت علیؓ کی خلافت راشدہ منعقد ہوگئی اور سیدنا حضرت معاویہؓ سے اختلاف و قتال کی نوبت آئی اور فریق مخالف کے سامنے سیدنا حضرت علیؓ نے اپنا سچا موقف، واضح دلائل کے ساتھ پیش کیا تو بھی کسی ایک موقعہ پر حضرت علیؓ نے اس حدیث کو اپنی خلافت کے استدلال کے لئے پیش نہیں کیا۔ ہاں کوفہ کی جامع مسجد کے چبوترہ پر آپ نے سامعین سے اس حدیث موالات کے بارے میں ضرور استفسار فرمایا۔ مگر اسکا مقصد بھی بظاہر یہی ثابت کرنا تھا کہ مجھ سے محبت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہے۔ اپنی خلافت ثابت کرنا مقصود نہ تھا کیونکہ اس وقت خلافت ثابت ہوچکی تھی البتہ افتراق و انتشار کا سلسلہ جاری تھا۔

یہ سب باتیں بتارہی ہیں کہ حدیث غدیر سے خلافت علی بلافصل پر شیعہ

---

[1] عذر واضح تھا کہ اگر بیعت کے انعقاد کے مسئلہ کو مزید ملتوی کیا جاتا تو امت کے افتراق و انتشار کا قوی امکان تھا۔ ویسے بھی ایسے حالات میں خلیفہ کا نصب فی الفور امت پر واجب ہوتا ہے۔

استدلال کس قدر غلط ہے اور یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ شیعہ 'سیدنا حضرت علیؓ کے نادان دوست ہیں یا پھر دانا دشمن 'کہ جو بات سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی نہ سمجھ سکے اور نہ اپنی زندگی میں کبھی ارشاد فرمائی وہ یہ شیعہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ (ھداھم اللہ تعالیٰ)

۵۔"حدیث موالات" کا خلافت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے اسکی ایک اور واضح دلیل بخاری شریف کی درج ذیل حدیث ہے۔

ان عبد اللہ بن عباس اخبرہ ان علی بن ابی طالب خرج من عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی وجعہ الذی توفی فیہ فقال الناس یا ابا الحسن کیف اصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اصبح بحمد اللہ بارئا، فاخذ بیدہ عباس بن عبد المطلب فقال لہ انت و اللہ بعد ثلاث عبد العصا و انی و اللہ لاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوف یتوفی من وجعہ ھذا، انی لاعرف وجوہ بنی عبد المطلب عند الموت، اذھب بنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلنسالہ فیمن ھذا الامر — ان کان فینا علمنا ذالک و ان کان فی غیرنا علمنا ہ فاوصی بنا۔ فقال علی انا و اللہ لئن سالناھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمنعمناھا لا یعطیناھا الناس بعدہ۔ و انی و اللہ لا اسالہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوصال میں حضرت علیؓ آپ ؐ کے پاس سے نکل کر باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا اے ابوالحسن! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بحمد اللہ پہلے سے افاقہ ہے۔ تو حضرت عباسؓ بن عبد المطلب نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا خدا کی قسم تین دن بعد تم کسی کے تابع ہو گے بخدا! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں' اور میرا خیال ہے کہ آپ کا اس مرض میں انتقال

ہو جائے گا' کیونکہ میں موت کے وقت بنو عبدالمطلب کے
چہروں کو پہچانتا ہوں' آؤ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں
اور ان سے پوچھ لیں کہ یہ خلافت کن میں ہوگی؟ اگر یہ
خلافت ہم میں ہوئی تو ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ اور اگر
دوسروں میں ہوئی تو بھی علم ہو جائے گا اور رسول اللہ ﷺ
ہمارے بارے میں انہیں وصیت کر جائیں گے۔
حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر ہم نے رسول
اللہ ﷺ سے اس بارے میں پوچھا اور آپ نے ہمیں اس
سے منع کر دیا تو اسکے بعد لوگ ہمیں کبھی یہ خلافت نہ دیں
گے۔ اس لئے خدا کی قسم میں رسول اللہ ﷺ سے اس
بارے میں کوئی سوال نہ کروں گا[۱]

صحیح بخاری کی حدیث سے ظاہر ہے کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی یہ گفتگو وصال نبوی سے تین دن قبل ہوئی جبکہ خطبہ غدیر تین ماہ قبل دیا جا چکا تھا اگر خطبہ غدیر میں خلافت علی بلا فصل کا اعلان ہو چکا تھا تو سیدنا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کیوں فرمایا کہ حضور ﷺ سے خلافت کے بارے میں پوچھ لو؟ اور سیدنا حضرت علیؓ نے یہ جواب کیوں نہ دیدیا کہ حضور ﷺ سے پوچھنے کی کیا ضرورت؟ میری خلافت کا تو تین ماہ قبل غدیر خم پر اعلان ہو چکا ہے۔

سیدنا حضرت عباس اور سیدنا حضرت علی کی گفتگو جہاں یہ واضح کر رہی ہے کہ خطبہ غدیر کا خلافت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہ تھا' وہاں یہ بھی واضح کر رہی ہے کہ اہل بیت بھی خلافت نبوی کے مسئلہ کے بارے میں متفکر تھے وہ یہ چاہتے تھے کہ خلافت و امامت کا مسئلہ جلد طے ہو جائے تاکہ آگے امت میں افتراق و انتشار پیدا نہ ہو۔ اس گفتگو سے اہل سنت والجماعت کے اس اصول کی بھی تائید ہوتی ہے جو ہم اپنے مقالہ کے شروع میں بیان کر آئے ہیں کہ امام و خلیفہ متعین کرنا امت کی ذمہ داری ہے۔ (اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں) اسی لئے امت اسلامیہ کے یہ دو جلیل القدر نمائندے متفکر تھے کہ وصال نبوی کے بعد امامت و قیادت کا مسئلہ کیسے طے کیا جائے

---

[۱] صحیح بخاری مع شرح فتح الباری ص ۱۰۹ ج ۸ طبع بیروت دار المعرفہ

گا۔ رضی اللہ عنہما

شیعہ استدلال اور اہل بیت

گذشتہ صفحات کے پڑھنے سے آپ کے سامنے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہوگی کہ صحیح اور صریح روایات کے مطابق خطبہ غدیر سے خود سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا نتیجہ نکالا ہے اور ادھر شیعہ کیا کہتے ہیں؟

کوئی بھی انصاف پسند قاری کیا ان تمام مذکورہ دلائل کے سامنے آنے کے بعد اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ غدیر غم پر سیدنا حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کا اعلان کیا گیا تھا؟ حقیقت وہی ہے جسے دلائل کی روشنی میں بحمد اللہ۔ تحریر کر دیا گیا کہ مختلف واقعات کی بنا پر چونکہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی کے بارے میں بعض حضرات کی طبیعت میں تکدر پیدا ہو گیا تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دنیا سے تشریف لیجانے سے تین ماہ قبل 'حجۃ الوداع کے بعد غدیر خم پر اہل بیت کی محبت کی طرف عموماً اور سیدنا حضرت علیؓ کی محبت کی طرف خصوصاً امت کو توجہ دلائی تاکہ امت جادہ مستقیم سے ہٹ کر کہیں افراط و تفریط کا شکار نہ ہو جائے جیسا کہ شیعہ اور خوارج اسی مسئلہ میں کھلے افراط و تفریط میں مبتلا ہو کر گمراہی کا شکار ہو گئے۔ و العیاذ باللہ من ذلک

بہرحال غدیر خم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا' اس خطبہ میں حدیث ثقلین کا حصہ ہو یا موالات علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا' دونوں حصوں کا تعلق مسئلہ خلافت سے نہیں بلکہ اہل بیت اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت و اکرام سے اسکا تعلق ہے۔ اس کے واضح دلائل بحمد اللہ آپ کے سامنے آگئے ہیں۔

آخر میں ہم اس بحث کو سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جلیل القدر پوتے حضرت حسن مثنیؒ کے ایک ارشاد پر ختم کرتے ہیں' ہمارا خیال ہے کہ خانوادہ اہل بیت کے اس جلیل القدر فرزند کے ارشاد سے خطبہ غدیر غم کی یہ بحث اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے جس کے بعد مزید کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

حضرت حسن مثنیؒ سے کہا گیا کہ کیا "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کی حدیث میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت (خلافت) کی صراحت نہیں ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا:

اما و اللہ لو یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بذلک الامارۃ و السطان لافصح لھم بہ فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان انصح الناس للمسلمین، ولقال لھم، یا ایھا الناس ھذا ولی امری و القائم علیکم بعدی فاسمعوا لہ و اطیعوا، ما کان من ھذا اشیئی، فو اللہ لئن کان اللہ و رسولہ اختار اعلیا لھذا الامر ثم ترک علی امر اللہ و رسولہ لکان علی اعظم الناس خطیئۃ

خبردار، اللہ کی قسم اگر نبی ﷺ اس (جملہ یا خطبہ) سے امارت یا حکومت کا ارادہ فرماتے تو یہ بات صاف صاف بیان کر دیتے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر مسلمانوں کا خیر خواہ کوئی نہیں ہے۔ آپؐ صاف فرما دیتے ' اے لوگو! یہ میرے بعد تمہارے حاکم اور تمہارے نگران ہوں گے۔ انکی بات سنو اور اطاعت کرو۔ مگر ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ اللہ کی قسم ' اگر اللہ اور اسکے رسول نے حضرت علیؓ کو اس امامت (بلافصل) کے لئے چنا ہوتا اور پھر حضرت علیؓ ' اللہ اور اسکے رسول کے حکم کو ترک فرما دیتے تو حضرت علیؓ سب لوگوں سے بڑھ کر خطاکار ہوتے [1]

اہل بیت میں سے سیدنا حضرت عباس اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہما کی سابقہ گواہی اور حضرت حسن مثنی کے اس واضح ارشاد کے بعد کوئی بھی غیر جانبدار قاری اندازہ کر سکتا ہے کہ اہل بیت۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ نے خطبہ غدیر سے کیا سمجھا ہے اور یہ کہ خطبہ غدیر خم سے شیعہ فرقہ کا عقیدہ امامت اور خلافت علی

---

[1] ذکرہ العلامۃ ابن حجر الھیثمی الشافعی عن ابی نعیم، فی الصواعق المحرقۃ (ص ۴۸)، و ذکرہ ایضا محب الدین الخطیب فی حاشیۃ العواصم من القواصم (ص ۱۸۶)، ناقلا عن الحافظ البیقی و الحافظ ابن عساکر. و نقلہ العلامۃ الآلوسی فی روح المعانی (ص ۱۹۵ ج ۶)، عن ابی نعیم قلت ذکر الحافظ ابن عساکر فی التاریخ الکبیر و قال رواہ البیبقی من طرق متعددۃ فی بعضھا زیادۃ و فی بعضھا لقصان و المعنی واحد (التاریخ الکبیر طبع روضۃ الشام ص ۱۶۶ ج ۴)

بلا فصل پر استدلال کس قدر غلط ہے ۔

ان گذشتہ صفحات سے بحمد اللہ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اگر خطبہ غدیر کی ان تمام روایات کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے جو ہمارے سامنے ذخیرہ حدیث میں موجود ہیں، تب بھی شیعہ فرقہ کا ان روایات سے استدلال کسی طرح درست نہیں ہے ۔

خطبہ غدیر کے الفاظ کو دیکھا جائے یا پورے خطبہ نبوی کے تسلسل کو، کتب لغت کی طرف مراجعت کی جائے یا عقل کی روشنی میں جائزہ لیا جائے یا حضرات اہل بیت کے پورے اسوہ حسنہ اور طرز عمل کو سامنے رکھا جائے اس بات کا یقین اور پختہ ہو جاتا ہے کہ اس خطبہ کا عقیدہ امامت اور خلافت علی بلا فصل سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ اور جو شخص اس خطبہ سے عقیدہ امامت یا خلافت علی بلا فصل ثابت کرنا چاہتا ہے وہ علم اور دیانت پر بھی ظلم کرتا ہے اور اپنی آخرت کی بربادی کو بھی دعوت دیتا ہے ۔ اعاذنا اللہ من ذلک

خلاصہ کلام

عقیدہ امامت اور خطبہ غدیر سے متعلق اس تحریر میں مختصراً جو دلائل پیش کر دیئے گئے ہیں، اگر انہیں بنظر انصاف دیکھا جائے تو اس بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ شیعہ کا موقف، کتاب اللہ سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع صحابہؓ اور تعامل اہل بیت کے سراسر خلاف ہے ۔ اور اپنے موقف کی سچائی ثابت کرنے کے لئے شیعہ کے پاس قرآن و سنت سے کوئی واضح دلیل نہیں ہے ۔ الا یہ کہ وہ ان موضوع روایتوں کا سہارا لیں جو خود انہوں نے اپنی کتابوں میں جمع کی ہوئی ہیں، اور جن پر انہوں نے اپنی گمراہی کی عمارت قائم کی ہے ۔

ہم نے اپنی اس تحریر میں شیعہ گمراہی کی بنیاد "عقیدہ امامت" سے مختصراً بحث کی ہے اور شیعہ اپنے اس مزعومہ عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے جو دلائل پیش کرتے ہیں بالخصوص حدیث غدیر سے جس طرح وہ استدلال کرتے ہیں انکی حقیقت بحمد اللہ تعالیٰ آپ کے سامنے اختصار کے ساتھ پیش کر دی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ ایک غیر جانبدار قاری کے لئے یہ مختصر تحریر بھی کافی ہو گی ۔

(تقبله الله تعالى و نفع به)

اگر کوئی شخص شیعہ سنی اختلافات کی تفصیلات سے واقف ہونا چاہے تو وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کرے جو اس موضوع پر مفصل لکھی گئی ہیں۔جن میں سے چند اہم کتابوں کے نام درج ذیل ہیں۔ان قیمتی کتابوں سے ہم نے بھی دوران تحریر استفادہ کیا ہے۔

۱۔منہاج السنۃ النبویہ	حافظ ابن تیمیہ رح
۲۔العواصم من القواصم	قاضی ابوبکر بن العربی رح
۳۔الصواعق المحرقہ	علامہ ابن حجر الھیثمی رح
۴۔تحفہ اثنا عشریہ	حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رح
۵۔ہدیۃ الشیعہ	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح
۶۔ہدایۃ الشیعہ	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح
۷۔ہدایت الرشید	حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رح
۸۔مطرقۃ الکرامہ	ع ع ع

اللھم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابه ، وصلی اللہ وسلم وبارک علی حبیبنا و شفیعنا سیدنا محمد و آله وصحبه اجمعین ۔

۴ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
۲۲ اگست ۱۹۹۳ء

احقر محمود اشرف عثمانی غفر اللہ لہ
دار الافتاء۔جامعہ دار العلوم کراچی
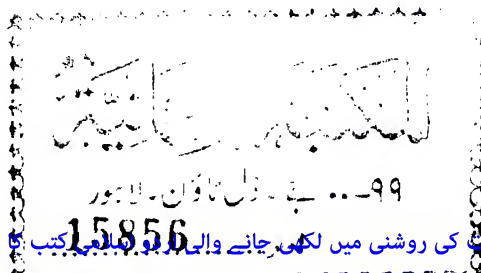
اِرشاداتِ مُجددِ الفِ ثانی

اِنتخابِ مکتوباتِ امامِ ربانی شیخ احمد سرہندی قدس اللہ سرہٗ
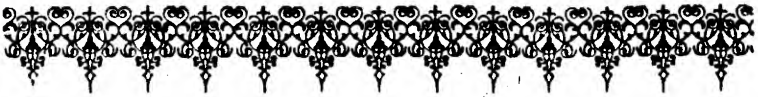
اِنتخاب و عُنوانات:

جناب مولانا محمود اشرف عُثمانی دامت برکاتہم

اِدارۂ اِسلامیات
انارکلی، لاہور ۲، پاکستان
فون ۷۳۲۴۷۸۵، ۷۲۴۳۹۹۱، ۷۳۵۳۲۵۵

اُستاذ المحدّثین، فقیہ النفس، قطب الارشاد

امامِ ربّانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرّہٗ

کے گرانقدر مکاتیب کا ذخیرہ

جمعِ اوّل : حضرت مولانا محمّد عاشق الٰہی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

اِضافہ : مولانا عبد الملک عتیق

ترتیب اور فہرستِ عنوانات جناب محمود اشرف عثمانی دامت برکاتہم

اِدارۂ اِسلامیات ○ انارکلی لاہور۲ پاکستان

۷۳۵۳۲۵۵ ۷۲۴۳۹۹۱ ۷۳۲۴۷۸۵